افاداتِ ابرار



افادات

حضرت اقدس مولانا شاہ سید ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

افاداتِ ابرار

افادات

حضرت اقدس مولانا شاہ سید ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

الناشر

مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور

نام کتاب : افاداتِ ابرار

مرتب : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

صفحات : 80

تاریخ طباعت : شوال المکرم ۱۴۳۵ھ

ناشر : مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

لے آوٹ ڈیزائنر : فیض الحسن بن عبدالمنان موبائل نمبر 9845176837

موبائل نمبر : 9036701512 / 09634830797

ای میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

فہرستِ مضامین

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مرتب

الحَمدُ لِلّٰہ رَبِّ الْعالمین والصلاۃُ والسّلامُ علی سیِّدِ المُرْسَلِینَ ، أما بعد:

سن ۱۴۱۷ہجری کے اواخر کا زمانہ میرے لیے اوران حضرات کے لیے خصوصاً جو حضرت اقدس شاہ سید ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور تمام اہلیانِ شہرِ بنگلور کے لیے عموماً بڑا مبارک ومسعود تھا، جب کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کی ان دنوں ایک لمبے عرصے (تقریباً بیس دن) کے لیے بنگلور تشریف آوری ہوئی۔ اگر چہ کہ آپ کی یہ تشریف آوری ڈاکٹر کی ہدایت پر برائے آرام تھی؛ مگر ہم جیسوں کی گویا عید ہوگئی۔

غالباً ۱۴۱۷ھ کے ذی الحجہ کی کوئی تاریخ تھی کہ ایک بار حیدر آباد سے حضرت والا کے خلیفہ انجینئر حاجی عبد الرحمٰن صاحب گلبر گوی کا فون آیا کہ حضرت والا نے معلوم کیا ہے کہ بنگلور میں کتنی ڈگری گرمی چل رہی ہے؟ میں نے تحقیق کر کے بتادیا، پھر معلوم کیا کہ کیا وجہ پیش آئی،تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر نے حضرت کو بنگلور چند روز قیام کا مشورہ دیا ہے۔ پھر ایک دو دن کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت نے بنگلور کا ارادہ فرمالیا ہے۔ پھر احقر سے بھی حضرت والا نے بات کی اور قیام کے سلسلے میں مذاکرہ ہوااور

یہاں کے احباب سے مشورے کے بعد جناب حاجی ہاشم موسیٰ سیٹھ صاحب کے گھر میں قیام طے ہوا اور حضرت والا ۲۸؍ذی الحجہ کو تشریف لائے اور ۱۶؍محرم الحرام تک قیام رہا۔

اور اس بیچ میں حضرت اقدس رحمہ اللہ کی ایمانی وروحانی مجالس کا سلسلہ برابر جاری رہا، اولاً تو حاجی ہاشم موسیٰ صاحب کے گھر پر ہی شروع ہوا؛ مگر لوگوں کا رجوع اس قدر تھا کہ وہ گھر بالکل ناکافی ہو گیا، اس دوران حضرت والا رحمہ اللہ نے اس احقر سے مشورہ کیا کہ مجلس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی؟ احقر نے ''مسجد بید اہل السنّت والجماعت''، محلّہ ''بیدواڑی'' کی تجویز پیش کی اور حضرت رحمہ اللہ نے قبول فرمایا اور روزانہ دو مجالس: ایک بعد الفجر مختصر مجلس اور دوسری بعد العصر ہوا کرتی تھیں، حضرت والا کا معمول تھا کہ فجر وعصر مسجدِ بید ہی میں پڑھتے تھے اور ایک دو مرتبہ احقر کی درخواست پر فجر میں امامت بھی فرمائی۔

الغرض ان دنوں جو مجالس ہوتی تھیں، ان میں یہ احقر پابندی سے شریک بھی ہوتا تھا اور ان کو قلمبند بھی کرتا تھا اور اسی کے ساتھ حضرت سے روز کا روز ان کو پیش کر کے تصحیح بھی کرواتا تھا؛ نیز روز کے روز یہ ملفوظات کو روزنامہ ''سالار'' بنگلور، روزنامہ ''سیاست'' بنگلور اور روزنامہ ''پاسبان'' بنگلور میں شائع بھی ہوتے تھے۔

احقر سے متعدد حضراتِ اہل علم وفضل نے اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ ان افادات کو کتابی شکل دے دیا جائے؛ تاکہ ان کا نفع عام وتام ہو اور خود احقر بھی اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا؛ مگر دل یہ کہتا تھا کہ ان افادات کی ترتیب چوں کہ اس حقیر نے کی ہے اور حضرت والا کے منشا ومراد کو سمجھنے میں ہو سکتا ہے کہ کہیں احقر سے چوک ہو گئی ہو؛ لہٰذا اس کی نظر ثانی کے ساتھ اس سلسلے میں جب تک حضرت والا سے دوبارہ مراجعت کر کے اجازت نہ لی جائے، یہ اقدام مناسب نہیں ہے؛ مگر اس پر نظرِ ثانی

کے لیے وقت نہ ملتا تھا، اس طرح اس کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر ایک موقعے پر اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق دی اور حضرت والا سے بھی دوبارہ مراجعت کرنے کا موقع ملا، چناں چہ حضرت والا کے پاس ایک مرتبہ ہردوئی میں قیام کے دوران حضرت سے اس کا ذکر ہوا اور نظرِ ثانی کے لیے پیش کیا، تو حضرت کے اپنے معتمد مولانا مفتی فہیم صاحب (مدرس مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی) کو نظرِ ثانی کا حکم دیا اور پھر اپنے خلیفہ حضرت مولانا افضال صاحب سے بھی نظر کروائی، ان حضرات نے اس حقیر کاوش کو دیکھنے اور اس کی اصلاح کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اپنی قیمتی آرا سے نوازا، جس کے لیے یہ احقر ان کا شکریہ ادا کرتا ہے اور پھر حضرت اقدس نے اس کی طباعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اور اس پر بھی ایک طویل عرصہ گزر گیا اور اس کی کمپوزنگ ہو جانے کے باوجود اس کی طباعت کا مرحلہ رکا رہا اور اب یہ طباعت کے لیے جا رہا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کو مقبول و نافع فرمائے اور احقر کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

۵/ جمادی الاخری/ ۱۴۳۲ھ - ۹/ مئی/ ۲۰۱۱ء

یکے از خدام حضرت والا

محمد شعیب اللہ خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افاداتِ ابرار رحمہ اللہ

(حضرت اقدس مرشدی مولائی مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ، ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء مطابق ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ بہ روزِ جمعہ ۱۰ بجے بہ ذریعے طیارہ، بنگلور تشریف لائے اور جناب ہاشم موسیٰ صاحب کے مکان پر قیام پذیر ہوئے، ہوائی اڈے سے گھر تشریف لانے کے بعد دستر خوان جوڑا گیا، حضرتِ اقدس نے کھانا تناول فرماتے ہوئے اپنی عادتِ مبارکہ کے موافق قیمتی افادات فرمائے۔)

شیخ بطن کے آداب

(۱) فرمایا: شیخِ باطن کے جو آداب ہیں، شیخِ بطن کے بھی وہی آداب ہیں، شیخِ باطن کو تو سب جانتے ہیں۔ شیخِ بطن یہ کھانا ہے، جو ہمارے پیٹ اور جسم کی تربیت کرتا ہے، جس طرح کہ شیخِ باطن ہمارے باطن کی اصلاح اور تربیت کرتا ہے۔

(۲) فرمایا: کیا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی شیخ اور بزرگ کی مجلس ۹ بجے مقرر ہو اور شیخ تو ۹ بجے پہنچ جائے اور دیگر لوگ وہاں موجود نہ ہوں؟ نہیں! بل کہ شیخ کے آنے سے پہلے لوگ پہنچ جاتے ہیں، اسی طرح شیخِ بطن یعنی کھانے کا ادب ہے، کہ کھانا آنے سے پہلے بیٹھ جائیں؛ پھر کھانا لایا جائے۔

(۳) فرمایا: جس طرح مجلس کے برخواست ہونے کے بعد پہلے شیخ کو

رخصت کیا جاتا ہے، پھر لوگ جاتے ہیں، ایسا نہیں ہوتا کہ شیخ کو چھوڑ کر سب چلے جائیں، اسی طرح جب کھانے سے فراغت ہو جائے، تو پہلے شیخِ بطن (کھانے) کو اٹھایا جائے، پھر اٹھیں۔

(۴) فرمایا: حکم ہے کہ کھانے میں عیب نہ نکالو، کہ اس میں نمک کم ہے، یہ کمی ہے، کیا کوئی شیخِ باطن میں عیب نکالتا ہے؟ جس طرح شیخِ باطن میں عیب نکالنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح کھانے میں بھی عیب نہیں نکالنا چاہیے، ہاں! کھانا پکانے والے کو تنبیہ کی جاتی ہے، کہ تم نے کھانے میں کمی کر کے اس کا حق ادا نہ کیا، شیخ کا حق ادا نہ کرنا بری بات ہے؛ مگر خود کھانے میں عیب نکالنا غلط ہے۔

(۵) فرمایا کہ دو باتوں میں شیخِ بطن (کھانا) شیخِ بطن سے بھی بڑھا ہوا ہے: ایک تو یہ کہ شیخِ بطن کو چھونے سے پہلے ہاتھ دھونے کا حکم ہے؛ مگر شیخِ باطن سے مصافحہ کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کا حکم نہیں، معلوم ہوا کہ شیخِ باطن سے بھی اس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے، ایک تو یہ ہے۔ دوسرا یہ کہ کھانا رکھنے کے لیے الگ فرش یعنی دستر خوان بچھانے کا حکم ہے؛ مگر شیخ کے واسطے اس کا حکم نہیں۔

(۶) فرمایا: ان کے علاوہ ایک بات ہے، وہ یہ کہ کھانے کے فرش (دستر خوان) پر کوئی شخص نہیں بیٹھ سکتا؛ حتیٰ کہ شیخ اور پیر صاحب بھی اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔

(۷) فرمایا: شیخِ باطن بھی شیخِ بطن کا محتاج ہے، اگر چند اوقات پیر صاحب کھانا نہ کھائے؛ تو دیکھو کیا حالت ہوتی ہے؟ شیخ کے افادات اور فیوض کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، معلوم ہوا کہ خود شیخ بھی کھانے کا محتاج ہے۔

(۸) فرمایا: اہلِ صلاح کو خاص طور پر اس کا اہتمام کرنا چاہیے: ایک برتن میں کئی افراد مل کر کھائیں، کم از کم دو تو ہوں۔ حدیث میں ہے کہ اپنے سامنے سے کھائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک برتن میں کئی افراد شامل ہوں، تب بھی تو

سامنے سے کھانے کے لیے فرمایا؛ اس لیے اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ کم ازکم اپنے گھروں میں ایسا کریں۔ مثلاً دال اور سالن ہے، تو ایک برتن میں دال اور ایک میں سالن ڈال کر دو آدمی ان میں سے کھائیں، کم ازکم دو ہاتھ تو پڑیں۔

(۹) فرمایا کہ سب مل کر کھائیں، تو کوئی ایک آدمی زور سے ''بسم اللہ'' پڑھ دے؛ تاکہ دوسروں کو بھی توجہ ہو جائے۔

(۱۰) فرمایا کہ ایک جگہ گیا، تو وہاں ہاتھ پونچھنے کے لیے کاغذ (ایک خاص قسم کا) رکھا ہوا تھا، کھانا کھا کر اس سے صاف کر لیتے ہیں، میں نے پوچھا کہ ان کاغذات کو کیا کرتے ہو؟ پھر میں نے عرض کیا کہ ان کو جلا دیا جائے؛ کیوں کہ ان میں کھانے کے اجزاو تنکے ہیں، اگر ان کو کہیں ڈال دیا؛ تو بے ادبی ہوگی۔

(۱۱) درمیان میں پانی نوش فرمایا اور ارشاد فرمایا: جب پانی پیے تو یہ دعا پڑھے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانَا عَذْباً فُرَاتاً بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْه مِلْحاً أُجَاجاً بِذُنُوْبِنَا '' (اللہ کے لیے سب تعریفیں ہیں، جس نے اپنی رحمت سے میٹھا حلق میں اتارنے والا پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے کڑوا حلق میں پھنسنے والا نہیں بنایا) یہ دعا پانی پینے کی ہے کہ جب صرف پیے تو پڑھے۔

(أخرجه الطبراني في الدعاء: باب القول عند الفراغ من الطعام أو الشراب :۸۹۹)

(۱۲) کھانے کے شروع میں تو مختصر دعا تعلیم کی گئی ''بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ '' مگر کھانے کے بعد کئی دعائیں ہیں: ایک تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ کی حمد و تعریف ہے، جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا: مگر حکم ہے کہ اس کے بعد کھانے کا جو ذریعہ بنا ہے، اس کا شکر ادا کرو اور کہو ''اَللّٰهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِيْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِيْ '' کہ اس کو کھلا جس نے مجھے کھلایا اور اس کو پلا جس نے مجھ کو پلایا۔

(الصحیح للمسلم: کتاب الأشربة :باب إکرام الضیف وفضل إیثاره)

پھر ایک دعا ایسی ہے، جو کھانا کھلانے والے کو سنانے کی ہے، صرف پڑھ لینا نہیں "أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارَ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ"

(نیک لوگ تمھارا کھانا کھائے اور فرشتہ تمھارے لیے دعا کریں اور روزہ دار لوگ تمھارے پاس افطار کرے۔) (مسند أحمد:۱۲۴۰۶)

پہلی دعا میں دنیا کی نعمتوں کے لیے دعا ہو گئی کہ اللہ کھلائے، پلائے اور اس دعا میں دینی ترقی کے لیے دعا ہے؛ کیوں کہ اس میں دعا دی گئی ہے کہ تمھارا کھانا نیک لوگ کھائیں، جب نیک لوگ کھانا کھانے آئیں گے، ان کی صحبت بھی تو نصیب ہو گی اور نیک لوگوں کی صحبت، دینی ترقی کا زینہ ہے، تو اس میں دینی ترقی کی دعا ہو گئی۔

(۱۲) ایک صاحب نے کھانے کے بعد ہاتھ دھلانے کے لیے طشت لا کر دسترخوان پر سامنے رکھ دیا، حضرت نے فرمایا کہ بھئی! دسترخوان پر تو شیخِ باطن بھی نہیں بیٹھ سکتا اور تم نے طشت اس پر رکھ دیا، پھر فرمایا کہ ایک جگہ ایک صاحب نے دستر خوان پر پیر رکھ دیے، میں نے کہا کہ دسترخوان پر پِیر کی بھی گنجائش نہیں، تو پَیر کی کیسے گنجائش ہو گی؟!

(۱۲) فرمایا: جب دسترخوان اٹھایا جائے، تو یہ دعا پڑھا کرے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْرًا طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلاَ مُوَدَّعٍ وَلاَ مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا." تمام پاکیزہ، زیادہ تعریفیں اللہ کے لیے ہیں "غَيْرَ مَكْفِيٍّ" یہ کافی نہیں ہے، "وَلاَ مُوَدَّعٍ" اور ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کیا جا رہا ہے اور ہم اس سے مستغنی نہیں ہیں۔

(الصحيح للبخاري: كتاب الأطعمة: باب مايقول إذا فرغ من طعامه:۵۴۵۸)

اس میں کھانے کو محتاج الیہ بتایا گیا ہے اور محتاج الیہ قابلِ تعظیم ہوتا ہے۔ مولانا

تھانوی رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ جب "مشکوٰۃ" میں اس حدیث کو پڑھا، تو اس کے بعد ہمیشہ کھانے کو سرہانے رکھتا ہوں اور خود پائنتی بیٹھتا ہوں۔

"اقامتِ صلوٰۃ" کی حقیقت

مؤمنین کی صفات میں فرمایا ہے: ﴿يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ (وہ نماز قائم کرتے ہیں) یہ نہیں فرمایا کہ وہ نماز پڑھتے ہیں؛ بل کہ "اقامتِ صلوٰۃ" فرمایا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ محاورہ ہے، لوگ کہتے ہیں: فلاں مریض کا ڈاکٹر صاحب نے علاج کیا تو مریض کھڑا ہو گیا، کیا اس کے پیر میں کوئی تکلیف تھی؟ نہیں! حال آں کہ وہ بخار کا مریض تھا یا اور کوئی بیماری تھی، پیر تو بالکل ٹھیک تھے، تو اس محاورے کا مطلب کیا ہوا؟ مطلب یہ ہے کہ وہ صحت مند ہو گیا، اس کے اندر کی کمی دور ہو گئی، اسی طرح ایک اور محاورہ بولا جاتا ہے: کب تک تم اپنے والدین پر بار و بوجھ بنے رہو گے؟ کب اپنے پیروں پر کھڑے ہو گے؟ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے معاملات میں، اپنی ضروریات میں دوسرے کے محتاج نہ بنو، کامل و مکمل ہو جاؤ، اب اس سے سمجھ میں آ گیا کہ "اقامتِ صلوٰۃ" (نماز کھڑی کرنے) کا معنی ہے نماز کو کامل و مکمل کرنا۔

نماز میں سنت طریقے کی رعایت

تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "اقامتِ صلوٰۃ" کیسے ہو گی؟ سنت کے موافق نماز پڑھنے سے۔ اور سنت کیا ہے؟ محمد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے بتائے ہوئے طریقے پر نماز پڑھنا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" (نماز اس طرح پڑھا کرو، جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں۔)

(الصحيح للبخاري: كتاب الآذان: ٦٣١)

آج ہم لوگوں کا کیا حال ہے؟ ہم نماز تو پڑھتے ہیں؛ مگر ﴿يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ پر عمل نہیں کرتے۔ یہاں بہت سے حضرات جمع ہیں، علمائے کرام بھی اور غیر علمائے کرام بھی: علمائے کرام تو پڑھتے پڑھاتے بھی ہیں، دوسروں سے میں سوال کرتا ہوں، وہ فرمائیں کہ ان کی نماز سنت کے موافق ہے؟ سوچا! صرف قرآت کی سات سنتیں ہیں اور رکوع کی آٹھ ہیں اور قیام کی گیارہ ہیں، سجدے کی بارہ اور قاعدے کی تیرہ سنتیں ہیں، کل اکیاون (۵۱) سنتیں ہیں، ہم کو ان میں سے کتنی یاد ہیں؟ پھر ہم ان پر کتنا عمل کرتے ہیں؟ غور کرو!!۔

اپنے کو بیمار سمجھو

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں، ہم میں کوئی کمی نہیں ہے، جاؤ! پہلے کسی طبیب کو دکھاؤ!۔ ایک واقعہ یاد آیا، ایک لالہ صاحب تھے، وہ اپنی بیوی کو علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے گئے، طبیب صاحب نے غلطی سے لالہ صاحب ہی کی نبض پکڑ لی، لالہ صاحب نے کہا کہ مجھے کچھ نہیں ہے، میں میری اہلیہ کو دکھانے لایا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے؛ مگر لالہ صاحب غلطی سے آپ کی نبض پر ہاتھ پڑ گیا ہے، تو سن لیجیے کہ آپ کو شکر کا مرض ہے اور شکر بھی معمولی نہیں؛ بل کہ کافی ہے۔ آپ جانچ کروالیں۔ اب جو ڈاکٹر سے جانچ کروائی، تو بہت زیادہ شکر تھی۔ ایسے ہی بھائی! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں کوئی کمی اور کھوٹ نہیں ہے؛ حال آں کہ بہت ساری کمی ہوتی ہے۔

ایک منٹ کے مدرسے کی ترکیب

مختصر بات عرض کرتا ہوں کہ ایک منٹ، فجر کے بعد، جیسا موقع ہو، سنتوں کو یاد کرنے اور عملی مشق کے لیے نکالیں، مسجد میں اعلان کردیں کہ بھائی سنتوں کے بعد

ایک منٹ کے لیے ٹھیر جائیں، جب لوگ ٹھیر جائیں، تو قیام کی سنتیں بتائیں، قیام تو فرض ہے؛ مگر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قیام کس طرح کرتے تھے؟ سنت طریقہ کیا ہے؟ چہرہ قبلے کی طرف ہو، سر نہ جھکایا جائے اور نگاہ سجدے کی جگہ ہو وغیرہ۔ یہ ایک دن بتائے۔ دوسرے دن دوسری سنت بتائے کہ پیروں کی انگلیاں قبلے کی طرف ہوں اور دونوں پیروں کے درمیان کم از کم چار انگل کا فاصلہ ہو، یہ حکم ہے۔ یہ معتدل الصحۃ (جس کی صحت اعتدال پر ہو اس کے لیے) ہے اور جو بہت موٹا ہو یا کوئی اور بات ہو، تو وہ جیسا ہو سکے کھڑا ہو جائے، پھر تیسرے دن بتائے کہ امام کے ساتھ ساتھ تکبیر کہے، امام جب "اللہ أکبر" کہے، تم بھی "اللہ أکبر" کہو، یہ کھڑے ہونے کی تین سنتیں ہوئیں، اس طرح ایک ایک دن ایک ایک سنت بتاتے جائیں۔

اعضا کو قبلہ رو رکھنے کی حکمت

فرمایا: نیت باندھتے وقت ہتھیلیاں قبلے کی طرف ہونا چاہیے، سجدے میں بھی انگلیاں قبلہ رو ہوں، جب سجدے میں تمام اعضا قبلے کی طرف ہوں گے؛ تو دل بھی صاحبِ قبلہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف ہوگا۔

علم کی دو قسمیں

فرمایا: علم کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری، ایک باطنی۔ ظاہری علم اعمال و مسائل کا علم ہے اور باطنی علم اخلاق ہے۔ اعمال بغیر اخلاص کے معتبر نہیں، یہ تو سب جانتے ہیں اور اسی طرح اخلاص بھی ہر صورت میں معتبر نہیں، وہی اخلاص معتبر ہے، جو مسائل کے ماتحت ہو۔ مثلاً غروب کے وقت نماز پڑھے، تو دیکھیے یہاں اخلاص تو ہے؛ مگر چوں کہ وہ مسائل کے تابع نہیں؛ اس لیے معتبر نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی قبلے کے بہ جائے کسی اور طرف چہرہ کر کے نماز پڑھے، تو وہ معتبر نہیں، حال آں کہ

یہاں اخلاص ہے؛ مگر مسائل کے تابع نہ ہونے کی وجہ سے وہ معتبر نہیں ہے، عمل بغیر اخلاص کے معتبر نہیں اور اخلاص بغیر مسائل کی رعایت کے معتبر نہیں۔

ظاہری اعمال کی اہمیت

فرمایا: ظاہری اعمال کی بھی اہمیت ہے، باطنی اعمال کی اہمیت تو مسلّم ہے ہی؛ ظاہری اعمال بھی بڑے اہم ہیں، صرف باطنی عمل ہو اور اس کے ساتھ اس کا ظاہر نہ ہو، تو وہ مفید نہیں۔ مثلاً یہاں کمرے میں بجلی تو ہے؛ مگر میری آواز آپ سب تک نہیں پہنچ رہی ہے (اس وقت حضرتِ والا رَحِمَہُ اللہُ آہستہ فرما رہے تھے) کیوں؟ اس لیے کہ اس کا ظاہر لاؤڈ اسپیکر سامنے نہیں ہے، دیکھیے باطن وروح تو ہے؛ مگر بے فائدہ؛ کیوں کہ اس کے ساتھ ظاہر نہیں ہے۔ اسی طرح آدمی مر جاتا ہے، تو کیا ہوتا ہے؟ اس کی روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے، روح تو اپنی جگہ باقی ہے، ہاں! جسم سے الگ ہو گئی، اس پر لوگ غم کرتے ہیں؛ حال آں کہ روح فنا نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ روح کے ساتھ ظاہر کا تعلق ہونا چاہیے، یہی حال اعمال کا ہے۔

ایک ادب

فرمایا: حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے کہ جب کسی کے یہاں جائے اور وہ کسی جگہ پر بیٹھنے کے لیے کہے، تو وہاں بیٹھ جانا چاہیے، امام شعرانی رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ ہم سے مشائخ نے اس بات پر عہد لیا ہے کہ ایسا کریں گے۔

ہمیشہ باوضو رہو

فرمایا: ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت ڈالنا چاہیے، خصوصاً اہلِ علم وطلبہ حضرات کو۔

اس پر جب توجہ دلائی گئی، تو ایک طالبِ علم نے لکھا کہ الحمد اللہ سال گزشتہ (دورۂ حدیث میں) ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی، دوسری بات یہ لکھی کہ کوئی حدیث بغیر وضو کہ نہیں سنی، صرف دو حدیثیں بغیر وضو کے سنی گئیں، شام کی آخری گھنٹی تھی، ایک دانہ تھا جو پھوٹ کر نکل آیا تھا اور دو حدیثیں اس وقت بغیر وضو کے سن لی تھیں۔ تو اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔

اوپر بیٹھنا دلیلِ افضلیت نہیں

فرمایا: اوپر بیٹھنا ضرورت کی وجہ سے ہے، یہ نہیں کہ جو گھٹیا ہو، وہ نیچے بیٹھے اور جو بڑھیا ہو، وہ اوپر بیٹھے، بعض دفعہ اساتذۂ کرام اور والدین نیچے ہوتے ہیں اور اپنے چھوٹوں اور بچوں کو اوپر بٹھاتے ہیں، اوپر ہونا کوئی شرف کی نشانی نہیں اور نیچے ہونا گھٹیا ہونے کی بات نہیں، ظاہری مثال اس کی یہ ہے کہ ترازو کا ہلکا پلڑا اوپر ہوتا ہے اور بھاری پلڑا نیچے ہوتا ہے، بلبلہ اوپر ہوتا ہے اور موتی نیچے ہوتا ہے۔

اہلِ صلاح کا اجتماع

فرمایا: ایک بات اہم عرض کرتا ہوں کہ مہینے میں ایک دن مقرر کرلیں اور ایک وقت مصالح وحالات کے مناسب تجویز کرلیں اور آدھے گھنٹے سے شروع کریں اور آپس میں جمع ہو کر ہر ایک شخص ایک بات دین کی لکھ کر لائے، جو اس کو زیادہ نافع اور اہم معلوم ہو، زیادہ سے زیادہ ایک صفحہ لکھے، زیادہ لمبا بھی نہ ہو، کوئی آیت مع ترجمہ و تفسیر، کوئی حدیثِ پاک، اپنے بزرگوں کے ارشادات میں سے کوئی ارشاد مع حوالے کے۔ پھر ان کو سنایا جائے، اس کے بعد ذکر کرلیں، کلمۂ طیبہ، درودِ شریف وغیرہ۔

اس کے دو فائدے ہیں:

ایک فائدہ یہ کہ ایک کو دوسرے کے پاس بیٹھنے سے اندرونی (باطنی) فائدہ ہوگا،

کیا فائدہ ہوگا؟ مثلاً کسی کے اندر اللہ کی محبت کا غلبہ ہے، کسی میں خشیت کا غلبہ، کسی میں صبر ہے، کسی کی شکر کی حالت زیادہ ہے، غرض اخلاقِ حمیدہ، جو کسی میں کم، کسی میں زیادہ ہوتے ہیں، ان کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے، اس کی حسی مثال یہ ہے کہ ہر شخص عطر لگا کر آئے، کوئی نہ کوئی تو ایک عجیب قسم کی خوشبو ہوگی کہ نہیں؟۔

اسی طرح دوسرے کے پاس بیٹھے گا کہ ہمارے بھائی ہیں، نیک ہیں، تو اس سے فائدہ ہوگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں کسی مجلس سے محروم نہیں آیا، جاتا ہوں، استفادے کی نیت سے فائدہ ملتا ہے۔

فرمایا کہ ''انوار بک ڈپو'' لکھنو کے علاقے میں مشہور کتب خانہ ہے، کانپور کے ایک صاحب لکھنو میں رہتے تھے، وہ غصے کے بیمار تھے، غصے کا علاج تو ایک مستقل چیز ہے، مولانا تھانوی رَحِمَهُ اللهُ نے ان کے لیے تجویز کیا تھا کہ عصر سے لے کر مغرب تک تم ان کی دکان پر جا کر بیٹھا کرو، ان میں حلم بہت تھا، انھوں نے لکھا کہ حضرت! اب غصے میں کمی آگئی ہے۔ عزیز دوستو! جس طرح کسی کو گرمی لگ رہی ہو، تو ٹھنڈی جگہ بٹھانے سے فائدہ ہوتا ہے، اسی طرح ایک دوسرے سے ملنے سے باطنی فائدہ ہوتا ہے۔

فرمایا کہ جمع ہونے سے فائدہ ہوتا ہے، اگر کچھ نہیں تو کم از کم اذان کا دور کرلو، ﴿سُوْرَةُ الْفَاتِحَة﴾ کا دور کرلو، بہت کم لوگ ہیں، جنھوں نے ان چیزوں کی تصحیح کی ہوگی۔ حضورِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ جبرئیل عَلَيْهِ السَّلَام قرآنِ پاک کا دور فرماتے تھے، تو ہم کو بڑی ضرورت ہے۔ ہمارے یہاں الحمد اللہ یہ سلسلہ جاری ہے، آج یہ سنت ختم سی ہوگئی ہے، رمضان میں تراویح سنانے والے حفاظ جو پڑھتے ہیں، وہ تو سنانے کے لیے پڑھتے ہیں؛ مگر یہ دور کی سنت ختم ہوگئی ہے۔

صبر و شکر کی تعلیم

مجلس میں زیادہ لوگ آجانے سے جگہ تنگ ہوگئی اور لوگ کچھ پریشانی سی محسوس کررہے تھے، تو اس پر فرمایا:

ایک وقتی ضرورت کی بات عرض کردوں، وہ یہ کہ طبیعت کے موافق حالت پیش آئے، تو شکر کرنا چاہیے اور اگر خلافِ طبیعت بات پیش آئے، تو صبر کرنا چاہیے اور بزرگوں نے نہ موافق حالات کے لیے ایک نسخہ تجویز کیا ہے، جس سے کہ کڑوی دوا بھی میٹھی ہوجائے، ڈاکٹر تو کیپسول (Capsule) میں رکھ کر دیتے ہیں اور ان حضرات کے یہاں کیپسول ویپسول کچھ نہیں، یوں ہی دیتے ہیں، وہ تجویز یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے، تو یہ سوچو کہ شکر ہے کہ اس سے بڑی مصیبت نہیں آئی، لوگ کہتے ہیں کہ دو گھنٹے کے لیے بجلی جاتی ہے، شکر ہے کہ اگر چار گھنٹے کے لیے چلی جاتی تو کیا کرلیتے؟

سفر ہو رہا تھا حیدرآباد کا، گاڑی دو گھنٹے لیٹ ہوگئی، گاڑی میں مَیں اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا کہ بزرگوں کی ایک بات سنادوں؟ کہا کہ ہاں! میں نے کہا کہ شکر کرو کہ چار گھنٹے لیٹ نہیں ہوئی، یہ سن کر انھوں نے کہا کہ آپ نے تو ہماری ساری پریشانی دور کردی۔

چٹائی کی ٹوپی

فرمایا: بعض چیزوں کا رواج ہر جگہ پڑا ہوا ہے، جیسے مساجد میں چٹائی کی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنے کا رواج ہوگیا ہے۔ اسی طرح پلاسٹک کی ٹوپیاں بھی چل پڑی ہیں۔ کیا کسی عالم سے پوچھا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ آج کل لوگ دیکھا دیکھی عمل کرنے لگتے ہیں، علما سے پوچھتے نہیں، یہ رواج بھی ایسے ہی دیکھا

دیکھی چل پڑا ہے۔

مگر ذرا سوچو کہ کیا کوئی نوجوان اس ٹوپی کو پہن کر اپنے سسرال جانا پسند کرے گا؟ جب اس کو پہن کر سسرال میں جانا پسند نہیں، تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کو پہن کر جانا کیسے درست ہوگا؟! پھر جو لوگ ثواب کا کام سمجھ کر ان ٹوپیوں کو لاکر رکھتے ہیں، ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ لوگ جو ٹوپی گھروں سے پہن کر آتے ہیں، یہ اچھی ہوتی ہے یا وہ چٹائی و پلاسٹک کی ٹوپی اچھی ہوتی ہے؟ سب یہی کہتے ہیں کہ گھر سے جو ٹوپی پہن کر آتے ہیں، وہ اچھی ہوتی ہے۔

میں نے بنگلہ دیش میں، پاکستان میں، سب جگہ سوال کیا، سب نے یہی جواب دیا۔ اب ذرا سوچیے کہ اگر کوئی مہمان آپ سے کہے کہ میں ٹوپی لانا بھول گیا، مجھے کوئی ٹوپی دیجیے! تو کیا اپنے مہمان کو یہ چٹائی و پلاسٹک کی ٹوپی دینا منظور کرو گے؟ نہیں! تو پھر اللہ کے مہمان کو جو اللہ کے گھر آیا ہے، اس کے لیے یہ ٹوپی کیوں لا کر رکھتے ہیں؟ کیا جو قدر اپنے مہمان کی ہے، اللہ کے مہمان کی اتنی بھی قدر نہیں؟!۔

علما نے اس ٹوپی سے نماز کو مکروہ قرار دیا ہے، تو جتنے لوگ یہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھیں گے، ان کی نماز ناقص ہوگی، حکم تو یہ تھا کہ لوگوں کی نمازوں کو کامل بنانے کی کوشش کرتے، اب الٹا یہ کرتے ہیں کہ نمازیں ناقص ہو جائیں!۔ بعض جگہ توجہ دلائی گئی، تو لوگوں نے فوراً ان ٹوپیوں کو مسجد سے اٹھوا دیا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور فکرِ آخرت

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے حقوق اللہ وحقوق العباد کے بارے میں خاص طور پر ایک رسالہ لکھا ہے "العذر والنذر" اس میں ہر ایک کی معافی کا طریقہ بتایا ہے، کسی بندے کی حق تلفی کی ہے، تو معافی مانگیں اور اگر وہ

معاف نہ کرے اور بدلہ لینا چاہے، تو اس کا بدل ادا کرے۔ کسی کی چوری کی، تو توبہ سے وہ مال چوری کا حلال نہیں ہو جاتا، اس کو واپس کرنا ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس رسالے کے آخر میں اعلان فرمایا کہ اگر مجھ پر کسی کا حق ہو؛ تو وہ فوراً مجھ سے وصول کرلے اور اس رسالے کو ان اشعار پر ختم فرمایا ہے: ع

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو — بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آ کر مجھ سے لے انتقام — قیامت کے دن پر نہ رکھے یہ کام
کہ خجلت بہ روزِ قیامت نہ ہو — خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

سفرِ آخرت کا توشہ

فرمایا: دنیا کا سفر، آخرت کے سفر کی نظیر ہے، اس دنیا میں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے ہیں، تو اس کا کتنا اہتمام ہوتا ہے اور اس کے لیے کتنی تیاری ہوتی ہے؟ یہ اہتمام و تیاری کیوں ہوتی ہے؟ اس لیے کہ سفر آرام و راحت اور عزّت وعجلت کے ساتھ ہو، اگر سفر میں کھانا ساتھ نہ ہو؛ تو راحت نہ ملے گی، ریزرویشن نہ ہو؛ تو سکون نہ ملے گا؛ اس لیے ان سب کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح آخرت کے سفر کی بھی تیاری کرنا چاہیے، اس کا توشہ بھی تیار کرنا چاہیے، اس کا توشہ کیا ہے؟ ایمان اور عملِ صالح۔ ایمان ایسا ہے، جیسے گاڑی کا ٹکٹ خریدلیا؛ مگر صرف ٹکٹ سے عزت وآرام سے سفر نہیں ہوتا؛ بل کہ ریزرویشن بھی کرانا چاہیے، اس کا ریزرویشن عملِ صالح ہے؛ لہٰذا ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی تیاری کر کے اپنے سفرِ آخرت کو آرام دہ و باعزت بنانا چاہیے؛ اسی لیے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ ایمان کے ذکر کے ساتھ عملِ صالح کی قید بھی لگائی گئی ہے۔

آخرت کا ریزرویشن اختیاری ہے

فرمایا: دنیا میں ریزرویشن ہونا اختیاری نہیں ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ٹکٹ مل گیا؛ مگر ریزرویشن نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جگہ خالی نہیں؛ مگر آخرت کا ریزرویشن اختیاری ہے، جب چاہے آدمی اپنا ریزرویشن کرسکتا ہے، وہ کیسے؟ عملِ صالح اختیار کرے، بس ریزرویشن ہوگیا۔

خالو، آلو نہیں، بھالو ہے!!

فرمایا: آج کل صلحا کے یہاں بھی شرعی پردہ باقی نہیں ہے، ''صلحا'' سے مراد علما وحفاظ، حاجی ودین دار کہلانے والے لوگ ہیں اور بات جب کہی جاتی ہے، تو اکثر کی کہی جاتی ہے؛ ورنہ ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی۔ تو بہت سے لوگ شرعی پردہ نہیں کرتے، جیسے خالو سے پردہ نہیں کرتے، میں کہا کرتا ہوں کہ لوگوں نے خالو کو آلو سمجھ لیا ہے، جیسے آلو کو مختلف طریقوں سے پکا کر کھاتے ہیں، ایسے ہی خالو سے بھی دلچسپی لیتے ہیں، حال آں کہ خالو، آلو نہیں؛ بل کہ بھالو ہے! جانتے ہو بھالو کیا ہے؟ بھالو ''ریچھ'' کو کہتے ہیں۔ جیسے کوئی ریچھ کے قریب نہیں جاتا، ایسے ہی خالو سے بھی پردہ کرنا چاہیے۔

سنت کی ٹکیہ، تمام بیماریوں کا علاج

فرمایا: ایک ایک سنت لوگوں کو بتائی جائے، اس سے لوگوں کی زندگی میں تبدیلی آجائے گی۔ دیکھیے ''ٹی-بی'' کے مریض کو روزانہ ایک ایک ٹکیہ ہی تو دی جاتی ہے، جس سے چند ماہ کے بعد اس کی بیماری کٹ جاتی ہے، ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح امت کو سنت کی ٹکیہ دو، روزانہ ایک ایک ٹکیہ دو، اس سے امت کی بیماریاں ختم ہوجائیں گی اور وہ تندرست ہوجائے گی۔

موت کا استحضار-ایک عجیب واقعہ

فرمایا: حکم ہے کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہو "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ" (دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر رہتا ہے یا ایسے رہو جیسے راستہ گزرنے والا ہوتا ہے۔) (الصحيح للبخاري، كتاب الرقاق:٦٤١٦)

ہر وقت موت کا استحضار ہونا چاہیے کہ نہ معلوم کب آجائے؟ ایک محدث کا عجیب واقعہ ہے کہ وہ ایک اور محدث کے پاس حدیث سیکھنے کے لیے گئے، انھوں نے پوچھا کہ زبانی سناؤں یا کتاب سے سناؤں؟ کہنے لگے کہ کتاب سے سننا چاہتا ہوں، اس پر وہ محدّث کتاب لانے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے اور اندر جانے لگے، تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت! پہلے زبانی سنا دیجیے! چناں چہ انھوں نے زبانی سنا دی اور پھر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ نے پہلے تو کہا کہ کتاب سے سننا چاہتا ہوں اور جب میں اٹھا، تو آپ نے کہا کہ زبانی سنا دیجیے؟ اس سوال پر انھوں نے عجیب بات فرمائی کہ میں سننا، تو چاہتا تھا کتاب ہی سے؛ مگر جب آپ اٹھ کر کتاب لانے اندر جانے لگے، تو خیال ہوا کہ آپ اندر جائیں گے اور کتاب نکال کر لائیں گے، اس میں کچھ وقت لگے گا اور یہ معلوم نہیں کہ موت کا وقت کب ہے؟ اگر اسی دوران مر گیا؛ تو بغیر حدیث سنے مرتا؛ اس لیے میں نے گزارش کی کہ پہلے زبانی سنا دیں، پھر فرمایا: کہ اب آپ کتاب سے بھی سنا دیجیے؛ تا کہ بات پختی اور پکی ہو جائے۔ دیکھیے! موت کا کس قدر استحضار رہے!!۔

اصلاح کی کوشش میں کمی ہے

فرمایا: آج معاشرے میں جس قدر بگاڑ ہے، اسی کے مناسب اصلاح کی کوشش بھی ہونی چاہیے، کوششیں تو ہو رہی ہیں، ہر جگہ کام ہو رہا ہے؛ مگر جتنا بگاڑ

ہے، اس کی اصلاح کی ویسی کوشش نہیں ہے۔ میں لندن گیا تھا، تو وہاں میں نے دیکھا کہ فرش بھی گرم ہے، ہیٹر کا بھی انتظام ہے، ہر چیز گرم گرم موجود اور گرمی کا بڑا انتظام ہے، میں نے کہا کہ اس قدر گرم چیزوں کا انتظام واہتمام کیوں ہے؟ جب کہ ہندوستان میں اتنی چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی؟ کہنے لگے کہ یہاں سردی بھی سخت ہوتی ہے، ہندوستان میں اتنی نہیں ہوتی؛ اس لیے گرم چیزوں کا زیادہ اہتمام وانتظام کیا گیا ہے۔ میں نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ ہندوستان میں دینی اعتبار سے بگاڑ زیادہ ہے یا لندن میں؟ کہنے لگے کہ لندن میں۔ میں نے کہا کہ پھر اس بگاڑ کو ختم کے لیے کیا یہاں لندن میں، ہندوستان سے زیادہ کوشش ہو رہی ہے اور اس کا انتظام کیا گیا ہے؟ نہیں! بات یہی ہے کہ بگاڑ جتنا ہے، اس کی اصلاح کے لیے کوشش اس کے بہ قدر نہیں ہو رہی ہے، یہ ہماری کمی وکوتاہی کی بات ہے۔

دعا وتدبیر کا اصول

فرمایا: انسان پر جو حالات پیش آتے ہیں، وہ دو قسم کے ہیں: ایک وہ جن کا دفع کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ دوسرے وہ جن کا دفع کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ جن کا دفع کرنا اختیار میں ہے، وہاں دفع کرنے کی تدبیر بھی کرنا چاہیے اور دعا بھی کرنا چاہیے؛ تا کہ تدبیر فیل نہ ہو اور جن کا دفع کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے، وہاں صرف دعا کرنا چاہیے؛ مگر اب لوگ ایسے مواقع پر دعا نہیں کرتے، حال آں کہ یہاں زیادہ دعا کرنا چاہیے، کیوں کہ تدبیر تو ہے نہیں، صرف دعا ہی کے ذریعے اس کو دفع کر سکتے ہیں، جیسے بارش ہو، تو اس کا روکنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے؛ لہٰذا یہاں صرف دعا کی جا سکتی ہے۔

اخلاص وبشاشت میں تلازم نہیں

فرمایا: بعض اوقات نیکی کے کام میں دل نہیں لگتا، تو بعض لوگ پریشان ہو

جاتے ہیں اور اس کو اخلاص کے خلاف سمجھتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کامل پوری جو بہت بڑے عالم وفاضل تھے، علامہ انورشاہ کشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ بھی ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت والا (تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ) کو ایک مرتبہ لکھا کہ مجھ پر زکوٰۃ فرض ہے اور جب میں زکوٰۃ نکالتا ہوں، تو گرانی محسوس ہوتی ہے، تو خیال ہوتا ہے کہ مجھ میں اخلاص نہیں ہے اور اگر زکوہ نہ نکالوں؛ تو ترکِ زکوۃ کا گناہ ہوگا، اب میں کیا کروں؟ حضرتِ والا رَحِمَہُ اللّٰہُ نے دو جملوں میں اس کا جواب دے دیا، فرمایا کہ زکوٰۃ نکالا کریں، گرچہ گراں معلوم ہو، اخلاص و بشاشت میں تلازم نہیں ہے اور دوسرے موقعے پر فرمایا ہے کہ بشاشت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ دینے سے زیادہ ثواب ملے گا؛ اس لیے دل نہ لگنے اور بشاشت نہ ہونے سے پریشان نہ ہونا چاہیے، یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔

ہر کام کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے

فرمایا: ایک بڑے میاں نے مجھ سے کہا کہ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، ناراض تو نہ ہوں گے؟ میں نے کہا کہ ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ یہ بات انھوں نے اس لیے کہی کہ ان کا سوال علما کے بارے میں تھا اور میں بھی علما ہی کی برادری سے تعلق رکھتا تھا، تو ان کو خیال ہوا ہوگا کہ علما کے بارے میں کچھ کہوں گا، تو یہ ناراض ہو جائیں گے۔ میں نے کہا: آپ بتائیں، ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ آج کل نوجوانوں کا جو طبقہ مدارس سے فارغ ہو کر آ رہا ہے، سند لے کر آ رہا ہے، یہ نماز میں سستی کرتا ہے، جماعت کا اہتمام نہیں کرتا، جب ان کے پاس علم ہے، تو عمل کیوں نہیں؟ جب کہ میرا پوتا عالم نہیں؛ مگر نماز کی، جماعت کی پابندی کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ دنیا کا کوئی کام بھی کرنا ہے، تو دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، اگر یہ دو

باتیں نہ ہوں؛ تو کام نہیں ہوسکتا۔ ایک: نور وروشنی کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ مسجد کو جانا ہے، بازار کو جانا ہے، اگر روشنی نہ ہوتو کیا مسجد یا بازار کو جاسکتے ہیں؟ نہیں جاسکتے۔

دوسری چیز، جس کی ضرورت ہوتی ہے: وہ ہے طاقت۔ روشنی تو ہو؛ مگر طاقت نہ ہو، تو بھی کوئی کام نہیں ہوسکتا، مسجد جانا ہے، بازار جانا ہے؛ مگر طاقت نہیں ہے، قدم نہیں اٹھا سکتا، تو کیسے جائے گا؟ تو معلوم ہوا کہ ہر کام کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے: روشنی اور طاقت۔ اسی طرح دینی کام کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے: ایک روشنی کی، اس کا نام علم ہے، علم جنت کا راستہ دکھاتا ہے اور جنت ہر مؤمن کا مقصود ومطلوب ہے، اس کا راستہ اللہ نے بنایا اور نبیوں نے ہم کو بتایا، وہ کیا؟ اعمالِ صالحہ۔ اعمالِ صالحہ جنت کا راستہ ہے؛ مگر عملِ صالح کو دکھانے والی چیز علمِ دین ہے، اگر علمِ دین نہ ہو؛ تو جنت کا راستہ دکھا ہی نہ دے گا، جیسے حدیث میں ہے: ”اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ ۔“ (روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔) (الصحيح للبخاري، كتاب الصوم: ۱۹۰۴)

اگر کوئی عید کے دن کا روزہ رکھے، تو حرام ہے، یہ جہنم کا راستہ ہے، علمِ دین بتائے گا کہ کونسا عمل، صالح ہے جس سے جنت ملے گی۔

تو ایک چیز تو علمِ دین ہے؛ مگر علم کافی نہیں، اس سے روشنی تو ملے گی؛ مگر جب تک اس راستے پر چلے گا نہیں، جنت میں نہیں پہنچے گا؛ اس لیے اب عمل کے لیے طاقت بھی چاہیے، وہ طاقت کیا ہے؟ عمل کی طاقت دو چیزوں سے ملتی ہے، ایک: اللہ کی محبت۔ دوسرے: اللہ کا خوف۔ اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف عمل پر انسان کو ابھارتا ہے؛ لہٰذا یہ چیزیں پیدا کرلو، عمل ہونے لگے گا۔ میں نے ان بڑے میاں سے کہا کہ آپ کے پوتے کو کسی جگہ سے اللہ کی محبت وخوف حاصل ہوگیا ہوگا؛ لہٰذا ان کے لیے عمل آسان ہوگیا اور جو علم کے باوجود عمل نہیں کرتے، ان کے پاس روشنی ہے؛ مگر

طاقت نہیں ؛ لہٰذا عمل نہیں کرتے ، اگر یہ بھی محبت کی ایک ٹکیہ کھالیں، تو عمل آسان ہو جائے یا خوف ہو، تو عمل آسان ہو جائے ، جیسے ملازم صبح صبح سردی میں بھی اٹھ کر اپنی ڈیوٹی پر پہنچتا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوف ہے کہ نہ پہنچے، تو معطل ہو جائے گا۔

اللہ و رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی محبت سب سے زیادہ ہو

فرمایا: اللہ و رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی محبت ہر مؤمن کو حاصل ہے ؛ مگر اور زیادہ ہونا چاہیے اور تمام چیزوں سے زیادہ ہونا چاہیے ۔ بیوی کی ، ماں باپ کی ، بچوں کی ، سب کی محبت اپنی جگہ ہو؛ مگر سب سے زیادہ اللہ و رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی محبت ہو۔ حدیث میں ارشاد ہے: ”لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ “(تم میں سے کوئی شخص کامل مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا؛ جب تک کہ میں اس کے نزدیک خود اس کی ذات، اس کے باپ ، بچے اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ۔)

(الصحيح للبخاري، كتاب الإيمان:۱۴،۱۵)

ایک شخص کے چار دوست تھے ، چاروں اس کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا تعاون کیجیے، یہ شخص ایک کا تعاون تو کرسکتا ہے، اس کے پاس اتنی ہی گنجائش ہے، اب یہ آدمی کشمکش میں پڑ گیا کہ کیا کروں؟ یہاں ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ کسی کو تعاون نہ دے اور کسی کی مدد نہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ان میں سے کسی کو ترجیح دے گا اور اس کو ترجیح دے گا، جس سے سب سے زیادہ محبت ہوگی ۔ اسی طرح بیوی، ماں باپ، دوست احباب، رسوم و رواج سب کی محبت ہے ؛ مگر دوسری طرف سنت ہے، تو خود فیصلہ کرو کہ کس کو ترجیح دینا چاہیے؟ یہ علامت ہے کہ اللہ و رسول کی محبت سب سے زیادہ ہے۔

محبتِ الٰہی پیدا کرنے کا طریقہ

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دعا کرتا رہے: " اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُکَ حُبَّکَ ، وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّ بُنِيْ إِلٰى حُبِّکَ." (اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت مانگتا ہوں اور تیری محبت کے قریب کر نے والے عمل کی محبت چاہتا ہوں۔) (مسند أحمد: ۲۲۱۶۲)

دوسرے: یہ کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرے، یا سنے، زیادہ نہیں تو پانچ منٹ ہی سہی۔ تیسرے: صحابۂ کرام کے حالات اور بزرگانِ دین کے حالات وواقعات پڑھے، اہلِ محبت کے حالات وواقعات پڑھنے سے بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چوتھے: اللہ کا ذکر کرے، ایک تسبیح "استغفار" کی، ایک تسبیح "کلمۂ طیبہ" کی، ایک تسبیح "درودِ شریف" کی۔ پانچویں: یہ کہ تلاوت کرے۔ کسی سے گفتگو کرتے ہیں، تو محبت پیدا ہو جاتی ہے، تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور چھٹے: اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچا کرے، ہر نماز کے بعد کم از کم اس کا اہتمام کرے، منعم سے محبت ہو جائے گی۔

سنت، ذریعۂ مقبولیت ہے

فرمایا: جو حضرات سنت پر چلتے ہیں، وہ اللہ کے پاس مقبول ہوتے ہیں اور مخلوق کے نزدیک بھی ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے، حتیٰ کہ غیر مسلموں میں بھی وہ مقبول ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رَحِمَهُ اللهُ "ہند" سے "پاک" جاتے تھے، تو ہندو آپ کے ہاتھ چومتے تھے، یہ سنت کی اتباع کا اثر ہے۔

دینی مجلس کا ایک ادب

فرمایا: دینی مجلس میں خاموشی کا لحاظ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ دینی باتیں روحانی امراض کا علاج ہیں اور دینی مجالس، ہسپتال اور آپریشن تھیٹر کی طرح ہیں، جہاں آپریشن ہوتا ہے، وہاں خاموشی ہوتی ہے، اسی طرح دینی مجالس میں بھی خاموشی کا لحاظ ہونا چاہیے۔

خوفِ خدا کا اثر

فرمایا: قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾ (جس نے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کھایا اور نفس کو گناہ سے روکا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔) (النّٰزِعٰت: ۴۱)

اس میں بتایا گیا ہے کہ خوف کی نشانی کیا ہے؟ گناہ سے بچنا، یہ خوف کا اثر ہے اور گناہ دلیل ہے کہ دل میں خوف نہیں۔

صفِ اول کی اہمیت

فرمایا: جب مسجد میں آئے؛ تو پہلے صفِ اول کو پُر کرنا چاہیے۔ آج اس میں بڑی غفلت ہو رہی ہے۔ میں ایک مسجد میں گیا، جہاں چند نمازی تھے؛ مگر ہر صف میں دو تین آدمی بیٹھے ہیں۔ حکم یہ ہے کہ پہلی صف میں بیٹھا جائے، اب لوگ آخری صفوں میں بیٹھتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جنت میں بھی دیر سے داخلہ ہوگا۔ (الصحیح للمسلم، کتاب الصلاۃ:۹۸۲سنن أبي داود، کتاب الصلاۃ:۶۷۹)

بیعت کی فضیلت

فرمایا: "بیعة" کا معنے ہے بیچنا۔ بیعت میں مرید اپنے نفس و خواہشات کو بیچتا

ہے اور اس کے بدلے میں سنت کو خریدتا ہے؛ اس لیے اس کو "بیعت" کہا جاتا ہے۔

سنت کا طریقہ اکمل، اجمل، اسہل

فرمایا کہ سنت میں تین باتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ اس میں سہولت و آسانی ہوتی ہے، جیسے حکم ہے کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، اس میں آسانی ہے بہ نسبت اس کے کہ اِدھر اُدھر ہاتھ ڈال کر کھایا جائے۔ دوسری: سنت میں خوشنمائی و جمال بھی ہوتا ہے۔ تیسری یہ کہ سنت کا طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے، اس کو میں آسانی کے لیے یوں عرض کیا کرتا ہوں کہ سنت کا طریقہ اکمل بھی، اجمل بھی اور اسہل بھی ہے۔

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، کامل نمونۂ حیات

فرمایا (ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب سے): طلبہ کو سنت کا عادی بنانا چاہیے، اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے "سننِ عادیہ" کی عادت ڈالی جائے، جیسے کھانے کی سنتیں، سونے کی سنتیں، اس میں کوئی مخالفت ومزاحمت نہیں کرتا، جب ان کی عادت ہو جائے، تو اور سنتیں بتائی جائیں۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ نکلتے وقت پہلے بایاں پیر باہر نکالے اور داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر داخل کریں۔ یہ سنت مسجد کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بل کہ اور جگہ بھی یہی طریقہ ہے، طلبہ کو اس کی مشق کرائی جائے، جب مدرسے میں عادت پڑ جائے گی؛ تو باہر جا کر بھی یہی کریں گ، اس طرح ایک ایک سنت پر عمل کرایا جائے، آخر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، کامل نمونۂ حیات ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔

آلاتِ علم کا احترام

فرمایا: مدرسے میں کاغذدان الگ ہونا چاہیے اور کوڑادان الگ ہونا چاہیے؛

کیوں کہ کاغذ آلاتِ علم میں سے ہے، اس کا احترام وعظمت کرنا چاہیے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی رَحِمَہُ اللّٰہُ ایک دفعہ بیت الخلا تشریف لے گئے اور پھر فوراً واپس چلے آئے، پوچھنے پر فرمایا کہ جب میں اندر گیا، تو میری نظر میرے ہاتھ کے انگوٹھے پر پڑی، اس پر سیاہی لگی ہوئی تھی، تو خیال ہوا کہ سیاہی تو آلاتِ علم میں سے ہے، اس کو بیت الخلا میں لے جانا، احترام کے خلاف ہے؛ اس لیے باہر آ گیا۔ پھر آپ نے کیاری میں پانی سے ہاتھ دھویا، روشنائی نکالی، پھر بیت الخلا تشریف لے گئے۔ دیکھا! کیسا احترام ہے؟ امام سرخسی رَحِمَہُ اللّٰہُ بلا وضو کتبِ فقہ کا مطالعہ نہیں فرماتے تھے، ایک دفع رات میں دست کی شکایت ہوگئی اور بار بار قضائے حاجت کے لیے جانا پڑا، تو ہر مرتبہ وضو فرماتے رہے؛ حتیٰ کے ایک رات میں سترہ دفع وضو فرمایا ہے۔ یہی تو وہ آلاتِ علم کا احترام ہے، جس سے وہ حضرات علم کے اس بلند مقام پر فائز ہوئے!!۔

غیر مستحق طلبہ کا امدادی داخلہ

فرمایا: ایک اہم بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ بعض طلبہ مدرسہ میں امدادی داخلہ لیتے ہیں، جب کہ وہ امداد کے مستحق نہیں ہوتے، سوال کی مذمت وبرائی جو حدیث میں آئی ہے، تو کیا یہ صورت اس میں داخل نہیں؟ کیا یہ سوال نہیں ہے؟ جب یہ سوال ہے اور اس کی برائی معلوم، تو غیر مستحق لوگ امدادی داخلہ کیوں لیتے ہیں؟ یہ جائز نہیں ہے۔

جنت کا راستہ

فرمایا: آدمی چاہتا ہے کہ ہر کام عجلت سے ہو، راحت سے ہو اور عزت سے ہو، مثلاً سفر کرنا تو ہم چاہتے ہیں کہ عزت کے ساتھ سفر ہو اور سفر میں راحت بھی ہو اور

جلدی سفر ہو جائے، اسی طرح جنت میں جانا ہے، عزت، راحت اور عجلت سے، تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا طریقہ ہے سنت پر عمل! تو سنت ہی جنت کا راستہ ہے، سنت پر چلو جنت کو پہنچ جاؤ گے۔

تین اہم اور آسان سنتیں

فرمایا: تین اہم اور آسان سنتیں ہیں، ان پر عمل کیا جائے، تو اور سنتوں پر عمل کرنے کا شوق بھی پیدا ہوگا اور دیگر سنتوں پر عمل کرنا آسان بھی ہوگا، یہ تجربے کی بات ہے، آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ وہ تین سنتیں یہ ہیں:

ایک یہ کہ سلام کا رواج و عادت ڈالے، جس کو جانتا پہچانتا ہے، اس کو بھی سلام کریں، جس کو جانتا پہچانتا نہ ہو، اس کو بھی سلام کریں اور سلام میں سبقت کریں یعنی پہلے خود سلام کرنے کی کوشش کریں اور سلام کثرت کے ساتھ کرے۔

دوسری اہم سنت یہ ہے: بڑھیا کام داہنے ہاتھ سے کریں اور گھٹیا کام بائیں ہاتھ سے۔ کھانا کھانا ہے، تو داہنا ہاتھ استعمال کرے اور ناک صاف کرنا ہے، تو بایاں ہاتھ استعمال کرے، یہ دائیں بائیں کی سنت ہر کام میں ہے۔

تیسری سنت یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں یعنی فجر اور عصر کی نماز، ان کے بعد تسبیحِ فاطمہ کا اہتمام کرے یعنی (۳۳) مرتبہ "سبحان الله" اور (۳۳) مرتبہ "الحمد الله" اور (۳۴) مرتبہ " الله أكبر" پڑھے اور دن میں ایک تسبیح پہلے کلمے کی اور ایک تسبیح سوم کلمے کی اور ایک تسبیح درودِ شریف کی پڑھنے کا معمول بنالے، اس سے ان شاء اللہ دیگر سنتوں پر عمل کرنا، آسان ہوگا اور شوق بھی پیدا ہوگا۔

قرآنِ پاک کے چار حق

فرمایا کہ قرآنِ پاک کے چار حقوق ہیں: عظمت، محبت، اطاعت اور تلاوت مع

الصحۃ۔قرآنِ پاک کی عظمت جیسے ہونی چاہیے، ویسی نہیں کی جاتی، امام کے لیے تو عمدہ مصلیٰ بچھاتے ہیں؛ مگر قرآنِ پاک کو بغیر کپڑے کے رکھ دیتے ہیں، حال آں کہ امام کی نماز بغیر اس مصلے کے بھی ہو جاتی ہے۔پھر یہ مصلیٰ کیوں بچھاتے ہیں؟ اکرام کے لیے، اسی طرح قرآنِ پاک کی بھی عظمت ہونی چاہیے۔سوچیے! امام افضل ہے یا قرآنِ پاک؟ سب یہی کہیں گے کہ قرآنِ پاک افضل ہے، پھر بھی امام کے لیے تو عمدہ مصلیٰ بچھاتے ہیں اور قرآنِ پاک جہاں رکھا ہے، اس کے نیچے کوئی کپڑا تک نہیں ہے۔ایک جگہ بیان کرتے کرتے نگاہ گئی، تو الماری میں دیکھا کہ قرآن رکھا ہے، بیان کے بعد میں الماری کی طرف گیا اور لوگ بھی میرے ساتھ گئے، میں نے اس قرآنِ پاک پر ہاتھ رکھا، تو ہاتھ پر اس کے اوپر کا غبار لگ گیا، بعض لوگ میرا ہاتھ صاف کرنے لگے، کس قدر تعجب ہے کہ میرے ہاتھ کو صاف کرنے کی تو فکر ہے؛ مگر قرآنِ پاک پر جو گرد و غبار لگا ہوا ہے، اس کے صاف کرنے کی فکر نہیں!!۔

قرآنِ پاک کے لیے ''رحل'' ہونا چاہیے

فرمایا کہ قرآنِ پاک کے لیے ''رحل'' کا انتظام ہونا چاہیے، تپائی قرآنِ پاک کے لیے مخصوص نہیں ہے، اس پر تو دوسری کتابیں بھی رکھی جاتی ہیں، ان کی وضع عام ہے؛ لیکن ''رحل'' قرآنِ پاک کے لیے مخصوص ہے؛ اسی لیے بزرگوں نے ''رحل'' کو تجویز کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اب بعض طلبہ مدارس میں ''رحل'' پر دینی کتابیں بھی رکھنے لگے ہیں، اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔سوچو کہ کیا امام کے مصلے پر کوئی سنتیں پڑھے، تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مگر نہیں پڑھتے، کیوں؟ اس لیے کہ امام کا مصلیٰ ہے اکرام کرتے ہیں۔اسی طرح قرآنِ پاک کے لیے جو ''رحل'' ہے، اس پر ہی دوسری کتابیں نہیں رکھنی چاہیے۔

پریشانیوں کے علاج کا سب سے آسان نسخہ

فرمایا کہ بیماری و پریشانی کا سب سے آسان نسخہ ''دعا'' ہے۔ کسی صاحب نے حضرتِ والا حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے پوچھا تھا کہ سب سے زیادہ مؤثر وظیفہ بتادیجیے، فرمایا کہ دعا سے بڑھ کر کوئی مؤثر وظیفہ نہیں۔ جب کوئی پریشانی آئے تو دعا کرو، حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب تیز آندھی آتی یا تیز بارش ہوتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف سبقت فرماتے۔

دعا کتنی آسان چیز ہے، پریشانی کے موقعے پر اس سے کام لے سکتے ہیں؛ مگر دعا کسی سائل سے سیکھو کہ جس طرح سائل مانگتا ہے، اس طرح مانگو اور بچوں سے مانگنا سیکھو، جس طرح ہمارے بچے ہم سے لگ لپٹ کر مانگتے ہیں، ہم میں کتنے لوگ اس طرح مانگتے ہیں؟ حضرت والا تھانوی رحمہ اللہ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جب کبھی قاعدے سے دل لگا کر دعا کی، تو ضرور قبول ہوئی، اسی کو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''واقرع الباب ملحا'' (دروازہ برابر کھٹکھٹاتے جاؤ) عاجزی کے ساتھ، جو دروازہ کھٹکھٹائے گا؛ تو ضرور کھل جائے گا۔

اسی کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمہ اللہ خلیفۂ تھانوی رحمہ اللہ نے شعر میں ارشاد فرمایا ہے:

وہ کھولیں یا نہ کھولیں در　　اس پر ہو تیر کیوں نظر؟
تو تو اپنا کام کیے جا　　یعنی صدا لگائے جا

پہلے دعا یا دوا؟

فرمایا: بیماری اور پریشانی کے موقعے پر پہلے دعا کرنا چاہیے؛ پھر دوا یا تدبیر کرنی چاہیے؛ مگر اب لوگ الٹا کرتے ہیں کہ پہلے دوا اور تدبیر کرتے ہیں، جب کامیابی

نہیں ہوتی، تو دعا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، سوچنا چاہیے کہ ہم کو جب کوئی بات پیش آتی ہے، تو پہلے بڑے کی طرف رجوع کرتے ہیں ، اسی طرح جب پریشانی پیش آئے یا بیماری ہوجائے، تو پہلے اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، تدبیر سے کامیابی حاصل ہوتی ہے؛ اسی لیے سب سے پہلے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، دعا کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر کے دل میں دوا اور وکیل کے دل میں تدبیر ڈال دیتے ہیں۔

ہماری پریشانی لائی ہوئی ہے، آئی ہوئی نہیں

فرمایا کہ آج عام طور پر مسلمان پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہیں، بالخصوص ہندوستان میں ، جہاں مسلم آبادی زیادہ ہے وہاں کے مسلم بہت سے پریشانیوں کا شکار ہیں، جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں، ان کے علم میں یہ بات ہے۔لوگ پوچھتے ہیں کہ پریشانی کب ختم ہوگی؟ میں کہتا ہوں : جب وہ (مسلمان) چاہیں، پریشانی آئی ہوئی نہیں ہے؛ بل کہ ان کی اپنی لائی ہوئی ہے؛ اس لیے جب وہ چاہیں گے، ان کی یہ پریشانی ختم ہوسکتی ہے، کہنے لگے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مسلمانوں کی پریشانی ان کی لائی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جب سے مسلمانوں نے دین کے ظاہر سے غفلت برتی ہے، اس وقت سے زوال شروع ہوگیا، باطن کی تو اہمیت ہے، یہاں تک کہ مقولہ مشہور ہے کہ ”میاں ! باطن ٹھیک ہونا چاہیے، ظاہر کیسا بھی ہو“ یہ بات صحیح نہیں ہے۔غرض یہ پریشانی خود ان کے عمل میں آئی ہے؛ لہٰذا اگر یہ اپنا عمل درست کرلیں گے؛ تو ان کی پریشانی بھی دور ہوجائے گی۔

ظاہر کی اصلاح کی ضرورت

فرمایا: ظاہرِ دین کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے نکل گئی اور صرف باطن کو کافی سمجھنے لگے، حال آں کہ اگر ظاہر میں بگاڑ ہے؛ تو یہ دلیل ہے کہ باطن میں بھی کسر

ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ باطن ٹھیک ہو اور ظاہر میں بگاڑ ہو۔ حدیث پاک میں تو صاف طور پر مصرح ہے: ''أَلاَ إِنَّ فِيْ الْجَسَدِ لَمُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ.'' (انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے، جس کی یہ شان وحالت ہے کہ وہ ٹھیک رہتا ہے؛ تو تمام اعضا ٹھیک ہوتے ہیں اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے؛ تو تمام اعضا بگڑ جاتے ہیں۔) (الصحيح للبخاري: كتاب الإيمان: ۵۲)

تو یہ بات ہے کہ جب باطن صحیح ہوتا ہے؛ تو ظاہر بھی سنور جاتا ہے، ہاں اگر ظاہر درست ہو؛ تو اسکا اثر بھی باطن پر پڑتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا باطن ٹھیک ہو گیا، تو وہ سبب بن جاتا ہے، ظاہر کی درستی کا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن دونوں میں بگاڑ ہے، وہ اپنے ظاہر کی درستی شروع کرتا ہے، تو اس کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور وہ درست ہو جاتا ہے، تو ظاہر کی اصلاح کی بھی اہمیت ہے۔

خاموش مجلس بھی فائدہ سے خالی نہیں

فرمایا: آپس میں کبھی کبھی مل کر بیٹھیں، اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بولنے سے ہی فائدہ ہوتا ہے؛ مگر ایسا نہیں ہے، دیکھیے! پنکھا چل رہا ہے اور اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے، رات کی رانی سے خوشبو کا فائدہ ملتا ہے؛ مگر کیا یہ باتیں کرتے ہیں؟ تو خاموش بیٹھنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ آج خاموش مجلس ہو گی۔ غرض اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

بشر بن حارث رحمہ اللہ اور عظمتِ قرآن

فرمایا: '' نزهة البساتين'' میں لکھا ہے کہ بشر بن حارث رحمہ اللہ ایک عامی شخص تھے، ایک دفع جا رہے تھے، راستے میں قرآنِ پاک کا ایک ورق پڑا ہوا ملا،

اس کو اٹھایا، ان کے والد اُن کو دو درہم دیئے تھے۔ اس سے انھوں نے ایک کپڑا خریدا، عطر لیا اور اس ورق کو عطر لگایا اور کپڑے میں لپیٹ کر اوپر رکھا، اس رات سوئے تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے بشر! تو نے ہماری کتاب کا اکرام کیا؛ لہٰذا ہم تجھ کو مکرم بنائیں گے۔ صبح اٹھ کر ایک بزرگ سے خواب کا ذکر کیا اور تعبیر پوچھی، تو انھوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمھارا مرتبہ بلند فرمائے گا۔ یہ ہیں بشر بن حارث رَحِمَہُ اللّٰہُ جن کی خدمت میں امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللّٰہُ جیسے حضرات استفادے کے لیے جاتے تھے۔

ایک وزیر کا واقعہ

فرمایا: امام شعرانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے لکھا ہے کہ ایک عالم وقاری ایک وزیر کے بچے کو قرآنِ پاک پڑھاتے تھے، جب بچے کی ﴿سُوْرَةُ الْبَقَرَة﴾ ختم ہوئی، تو وزیر نے استاذ صاحب کی خدمت میں ڈھائی سو اشرفیاں ہدیے میں پیش کیں، تو استاذ صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ ہم نے کیا کام کیا کہ اتنی اشرفیاں عنایت فرمائی گئیں؟ یہ تو بہت ہے۔ یہ سن کر وزیر نے کہا کہ کل سے آپ میرے بچے کو پڑھانے کی زحمت نہ کریں۔ قاری صاحب نے پوچھا کہ میرا کیا قصور ہے؟ کہ جو وزیر نے مجھے یہ حکم دیا ہے؟ وزیر نے کہا کہ آپ نے کہا تھا یہ (۲۵۰) اشرفیاں بہت ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں ﴿سُوْرَةُ الْبَقَرَة﴾ سے زیادہ اشرفیوں کی قدر و عظمت ہے، تو آپ کے پاس پڑھنے سے میرے بچے پر بھی اس کا اثر ہوگا؛ اس لیے میں نے آپ کو پڑھانے سے منع کیا ہے۔ دیکھیے! وزیر کے پاس قرآنِ پاک کی کتنی عظمت ہے؟

فرمایا: امام شعرانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے لکھا ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے، جن

کی شان یہ تھی کہ دو بادشاہوں میں کوئی اختلاف ہوجاتا، تو ان کو حَکَم بنایا جاتا اور لوگوں میں اتنی عزت وشہرت تھی کہ ہجوم کی وجہ سے ان سے مصافحہ نہ ہوسکتا، تو لوگ اپنا رومال ان کی پشت کی طرف ڈالتے اور اس رومال کو بوسہ دیتے، یہ بلند مقام ان کو حاصل تھا۔ ایک دفعہ سواری پر جارہے تھے، دور سے ایک بوڑھے شخص دکھائی دیئے، تو سواری سے اتر گئے اور ان کی طرف چلے، ان سے ملاقات کی، ان کی تعظیم وتکریم بجالائے، پھر ایک گلی میں لے جاکر ان کو ہدیہ پیش کیا، پھر چلے آئے۔ امام شعرانی رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص تھے؟ تو فرمایا کہ یہ میرے بچپن کے قرآنِ پاک کے استاذ ہیں۔ دیکھا قرآنِ پاک کے استاذ کی قدر کیسی ہوتی تھی؟

ہماری پستی کا اصل سبب

ایک مشہور صحافی حضرتِ والا سے ملاقات کرنے کے لیے آئے اور انھوں نے سوال کیا کہ آج مسلمانوں کی جو ذلت ورسوائی ہے، اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ اس پر حضرتِ والا نے یہ جواب دیا:

فرمایا: مختصر بات عرض کرتا ہوں کہ جو چھوٹے، اپنے بڑوں کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں، وہ سرخ رو ہوتے ہیں اور بلند درجے پاتے ہیں، یہ بات طے شدہ ہے اور مومن کے لیے سب سے بڑی ذات سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہے؛ لہٰذا ہماری فلاح آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے، جب سے امت نے اس میں غفلت وکوتاہی کی اس وقت سے وہ ذلیل ورسوا ہوگئی۔ جب اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وصال کا وقت قریب ہوا، تو آپ نے ایک وصیت فرمائی کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک ان کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے؛ سرگرداں وپریشان نہ ہوگے، ایک: کتاب اللہ۔ دوسری: سنت۔

(مؤطا للإمام مالک، کتاب القدر: ۳۳۳۸)

اور یہ معلوم ہے کہ سنت، کتاب اللہ کی تفصیل ہے، تو سنت میں کتاب اللہ بھی آ گئی، اس لیے فرمایا گیا: اللہ کا رسول تم کو جو حکم دے وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے رک جاؤ۔ غرض یہ کہ امت کی فلاح کا مدار اس پر ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے، جب امت اپنے بڑے کی ہدایت پر عمل کرے گی؛ تو اس کی ذلت و پستی دور ہو جائے گی اور وہ کامیاب ہو گی۔

دعائیں کیوں قبول نہیں ہو رہی ہیں؟

فرمایا: آج امت جو پریشان ہے اور ذلت میں مبتلا ہے، اس کے لیے ہر جگہ دعائیں ہو رہی ہیں، ہر مسجد میں دعا ہو رہی ہے، حرمین شریفین میں بھی دعائیں ہو رہی ہیں؛ مگر دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں، ایک صاحب سفید پوش نے یہ سوال مجھ سے کیا، میں نے پوچھا کہ آپ کا مشغلہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ کپڑوں کا تاجر ہوں، میں نے کہا کہ اگر نوکر خیانت کر دے اور ایک تھان چوری کر لے؛ تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے کہ نوکری سے نکال دوں گا۔ میں نے کہا: اگر ماموں، چچا، والد وغیرہ سب اس کی سفارش کریں اور معاف کر دینے کی درخواست کریں، تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے کہ نہیں، وہ تو معافی نہیں مانگ رہا ہے۔ میں نے کہا کہ اس سے آپ کا جواب ہو گا کہ مجرم، گنہ گار لوگ تو توبہ نہیں کرتے، اپنی اصلاح نہیں کرتے، گناہ نہیں چھوڑتے اور نمازی اور متقی لوگ مساجد میں، حرم میں دعائیں کریں تو کیسے قبول ہوں گی؟

ہماری غفلت اور تباہی

فرمایا: آج مسلمان کتنا نیچے گر گئے! اس کا اندازہ ایک تو اس سے لگایئے کہ ''جمعۃ الوداع'' یعنی رمضان کی آخری جمعہ میں کتنے نمازی ہوتے ہیں؟ مسجدیں

تنگ ہو جاتی ہیں، راستے تنگ ہو جاتے ہیں؛ مگر دیگر جمعوں میں اتنے نمازی نہیں ہوتے؛ حال آں کہ جو اہمیت ''جمعۃ الوداع'' کی ہے، وہی اہمیت اور جمعوں کی بھی ہے، تو امت کو اہتمام کرنا چاہیے تھا باون (۵۲) جمعوں کا اور وہ صرف ایک جمعے کا اہتمام کرتی ہے۔ اب سوچیے کہ وہ کتنے درجہ گر گئی؟!۔ اکیاون (۵۱) درجے گر گئی؛ بل کہ اس سے بھی زیادہ گر گئی، وہ کیسے؟ اس طرح کہ فرض نماز دن میں پانچ ہیں، تو مہینے میں ڈیڑھ سو (۱۵۰) اور سال میں اٹھارہ سو (۱۸۰۰) فرض نمازیں ہیں، امت اہتمام تین نمازوں کا کرتی ہے یعنی ''جمعۃ الوداع''، عید اور بقرعید کی نمازوں کا، اتنا ہی اہتمام ہر نماز کا چاہیے؛ مگر اب صرف تین نمازوں کا اہتمام ہے، تو اٹھارہ سو میں سے صرف تین نمازوں کا اہتمام ہو رہا ہے؛ لہٰذا وہ سترہ سو ستانوے (۱۷۹۹) درجے گر گئی۔ کس قدر غفلت ہے؟!!۔

حسد کی تعریف اور اس کے درجے

فرمایا: حسد کی بیماری آنکھوں سے نظر نہیں آتی، سردی کا زمانہ ہے، گرمی نہیں ہے؛ مگر حسد کی وجہ سے بدن میں آگ لگ رہی ہے۔ حسد کیا ہے؟ مثلاً ایک شخص ہے، وہ ترقی کر رہا ہے، تو دوسرا شخص اس کی ترقی سے جلے کہ اس کے اتنے بیٹے ہیں، اس کی اتنی دولت ہے! اس کا اتنا علم ہے! یہ ایسا عمدہ قرآن پڑھتا ہے! کسی کو اللہ کی نعمت ملی ہوئی ہے، تو اس کو دیکھ کر دل میں جلن پیدا ہو رہی ہے، حکیم اور ڈاکٹر ''تھرمامیٹر'' (Thermometer) سے بھی نہیں بتا سکتے کہ اس کے دل میں حسد ہے اور نہ نبض دیکھ کر کوئی حکیم بتا سکتا ہے کہ اس میں حسد ہے۔

حسد کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.'' (بچاؤ اپنے آپ کو حسد سے! وہ حسنات (نیکیوں) کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح

آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔)(سنن أبي داود، كتاب الأدب ،باب في الحسد :۴۹۰۳)

جب لکڑی میں آگ لگتی ہے، تو لکڑی کا پتہ نہیں لگتا، آگ میں چھپ جاتی ہے، اسی طرح نیکیاں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔

قرآنِ کریم میں فرمایا:﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾(الفلق :۵)(میں پناہ چاہتا ہوں حاسد کے شر سے)۔اس میں یہ نہیں کہا کہ حاسد سے پناہ چاہتا ہوں، کیوں؟ حسد کے دو درجے ہیں: ایک یہ کہ دل میں جلن ہو رہی ہے، آگ لگ رہی ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، جیسے کسی کے کپڑے میں آگ لگ جائے تو گناہ نہیں اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ جلن سے دوسرے کے خلاف کوشش وسازش کرنا شروع کردے کہ اس کی نعمت اس طرح چھن جائے؟ یہ ہے بیماری، اس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔

حسد کا علاج

فرمایا: حسد کا علاج بھی ہے۔ایک شخص نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کو لکھا کہ آپ کی کتابیں پڑھنے سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے اندر حسد کی بیماری ہے، علاج بتائیں۔حضرت نے پوچھا کہ کیا کام کرتے ہو اور کس پر حسد ہے؟ اس نے بتایا کہ میں تجارت کرتا ہوں اور وہ بھی کپڑوں کی اور دوسرے تاجروں پر مجھ کو حسد ہے۔فرمایا کہ دوا تو ہے؛ مگر دوا کا میٹھا ہونا ضروری نہیں، چند چیزیں ہیں ان پر عمل کرو:

۱- سلام میں سبقت کرو، اگرچہ جی نہ چاہے۔
۲- سفر میں جاؤ اور آؤ، تو اس سے ضرور ملو اور مصافحہ کرو۔
۳- تحفہ بھی لے جاؤ۔
۴- کبھی کبھی اس کی دعوت بھی کرو۔
۵- اس کی خوبیوں کا دوسروں سے تذکرہ کرو۔

۶- یہ سوچو کہ حسد کی وجہ سے میری نیکیاں اس کو کہیں نہ دے دی جائیں، پندرہ دن کے بعد انھوں نے لکھا کہ حسد میں کمی آ گئی ہے۔

معاشرتی زندگی کا ایک ادب

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے ''آداب معاشرت'' کتاب لکھی ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مہمان اگر میزبان سے کوئی چیز منگوائے اور مہمان پوچھے کہ یہ چیز کتنے کی ہے؟ تو بتادینا چاہیے، بعض لوگ پوچھنے پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہدیہ ہے۔ اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ مہمان کو آئندہ کسی ضرورت کی چیز کے منگوانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دوسرے اس چیز کے استعمال کی بھی ہمت نہیں ہوتی اور وہ پڑی رہے گی۔ میزبان کی یہی خدمت کافی ہے کہ وہ لاکر دیتا ہے ورنہ مہمان کو کتنی پریشانی ہوتی؟ کہ راستہ معلوم نہیں، پھر دوڑ دھوپ کرنا پڑتا؛ اس لیے صاف بتادینا چاہیے۔

معاشرتی آداب کا خلاصہ

فرمایا: معاشرتی آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ'' (مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔)

(الصحيح للبخاري، كتاب الإيمان:١٠ -الصحيح للمسلم ، كتاب الإيمان :١٦٢)

تصحیحِ قرآن کی فکر کرنا چاہیے

فرمایا: جس طرح اپنے بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے ہو اسی طرح خود بھی قرآن پاک پڑھنے اور سیکھنے کی فکر کرنا چاہیے، بعض لوگ ساٹھ ستر برس کے ہو گئے؛ مگر قرآن

پاک پڑھنا نہیں سیکھا۔ بھائی غور کرو کہ ہماری ہر چیز بڑھیا ہے: مکان بھی بڑھیا ہے، دکان بھی بڑھیا اور نان (یعنی روٹی) بھی بڑھیا اور پان بھی بڑھیا؛ مگر اذان بڑھیا نہیں، تلاوتِ قرآن بڑھیا نہیں ہے!۔

بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں، جو کھلی ہوتی ہیں، فقہا نے قرآنِ پاک میں ایسی غلطی کو حرام لکھا ہے۔ مثلاً ﴿الحَمْدُ﴾ (بڑی ''ح'' سے ہے) اس کو '' الھمد'' (چھوٹی ''ہ'' سے کوئی پڑھے) تو حرام ہے۔ اگر کسی سے کہو کہ ''حامد'' لکھو اور وہ ''ھامد'' لکھ دے، تو اس کو فیل کر دو گے؛ اس لیے کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دیا، اسی طرح تلاوت میں ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دے گا؛ تو فیل ہو جائے گا اور دوسری غلطی سے فیل تو نہ ہوگا، پاس ہو جائے گا؛ مگر سوم درجے پر پاس ہوگا۔ جیسے ﴿الحَمْدُ﴾ کی ''دال'' کو بعض لوگ ''دَوْ'' پڑھتے ہیں، یہ ''ایک، دو'' یہاں نہیں۔ (اس کے بعد حضرت نے اہلِ مجلس سے فرمایا) انگریزی میں گنتی کرو! ون، ٹو، تھری، (1,2,3) لوگوں نے گنتی کی، تو فرمایا: دیکھو! ''ٹو(2)''، کی جو آواز ہے، ویسی ہی ''دُوْ'' کی آواز ہے، یہاں جتنے حضرات ہیں سب نے ''ٹو(2)'' کی آواز ویسے ہی نکالی، جیسے انگریز بولتے ہیں؛ مگر قرآن پڑھتے ہیں، تو سنت کے موافق نہیں پڑھتے کہ جیسا اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قرآن پڑھا ویسا پڑھیں؛ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ روزانہ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' (یہ حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کا مرتب کردہ اصلاحی نصاب ہے) جاری کرو اور اس میں قرآنِ پاک کی تصحیح کیا کرو۔

تصحیحِ قرآنِ پاک کے لیے ''ایک منٹ کا مدرسہ''

فرمایا: مسجد میں کسی ایک نماز کے بعد اعلان کر دیا جائے کہ ایک منٹ کے لیے حضرات تشریف رکھیں، سنت کے موافق قرآن پڑھنا سکھایا جائے گا۔ لوگ بیٹھ

جائیں گے تو ایک دن صرف یہ بتائیں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ یہ چند سکنڈ میں ہو جائے گا، اسی طرح روزانہ ایک ایک آیت سکھائیں۔

اسی طرح ایک منٹ روزانہ خرچ کریں، تو ﴿سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ ﴾ کا ترجمہ یاد ہو جائے گا۔ ساٹھ، ستر، برس ہو گئے، لوگوں کو نماز پڑھتے ہیں؛ مگر ﴿سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ ﴾ کا ترجمہ معلوم نہیں، روزانہ ایک ایک منٹ لگائیں، تو یہ چند دنوں میں یاد ہو جائے گا، اسی طرح بعض سورتیں حفظ ہو جائیں گی، ہمارے یہاں جو بچے حافظ نہیں تھے، انھوں نے اسی طرح روزانہ ایک ایک منٹ لگا کر ﴿ یٰسٓ ، الرَّحْمٰنُ ، الْوَاقِعَۃُ ، الْفَلَقِ ﴾ وغیرہ یاد کر لیا، دین بہت آسان ہے "الدین یسر" دین آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔

گناہ کے نقصانات

فرمایا: آج لوگ گناہ کے نقصانات سے واقف نہیں ہیں؛ اس لیے گناہوں میں مبتلا ہیں، گناہ سے آخرت میں جو نقصان ہوگا وہ تو ہے ہی، اس کے ساتھ دنیا میں بھی ستائیس (۲۷) قسم کے نقصانات گناہ کرنے سے ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے "جزاء الاعمال" میں حوالوں کے ساتھ ان کو لکھا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی علمِ دین سے محروم ہو جاتا ہے۔

منکرات پر نکیر بار بار ہونا چاہیے

فرمایا: اہلِ علم حضرات کو چاہیے کہ منکرات پر بار بار نکیر کریں، ایک دو بار کہہ کر خاموش نہ ہو جائیں، کیا "ٹی۔ بی" کے مریض کو ایک دو خوراک سے فائدہ ہو جاتا ہے؟ نہیں؛ بل کہ مسلسل کئی سالوں تک دوا دی جاتی ہے، اسی طرح گناہ کے مریض کو بھی بار بار اور مسلسل کہنے کی ضرورت ہے۔

وعظ کے بعد ہدیہ لینے میں احتیاط کرنا چاہیے

فرمایا: وعظ و بیان کے بعد ہدیہ نہ لینا چاہیے۔ یہ جائز تو ہے؛ مگر دین کی مصلحت کی خاطر نہ لے، یہ اگر چہ اجرت نہیں ؛ مگر اجرت کی صورت تو ہے اور میں کہا کرتا ہوں کہ جہاں وعظ و بیان ہو، وہاں کھانا بھی نہ کھائے ؛ کیوں کہ یہ حق بات کہنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے، حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ مہمان بلا کر ہدیہ نہیں دینا چاہیے کہ اس کا اثر ہوتا ہے اور میزبان کے یہاں کوئی قابل نکیر بات ہو، تو اس کی اصلاح میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

دل کا زنگ اور اس کی دوا

فرمایا: حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ”إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ.“ (دلوں پر اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے، جیسے لوہے کو اس وقت زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی مسلسل پہنچتا رہتا ہے۔) غور فرمایئے ! کہ لوہا کتنا وزنی اور پانی کتنا ہلکا ؟! لوہا کتنا سخت اور پانی کتنا نرم؟! مگر جب پانی مسلسل لوہے کو پہنچتا رہتا ہے، تو اس کو خراب کر دیتا ہے؛ کیوں کہ لوہے کی جنس اور ہے اور پانی کی جنس اور ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ ناجنس کی صحبت جب مسلسل رہتی ہے، تو وہ بگاڑ پیدا کر دیتی ہے، جس طرح پانی کی صحبت لوہے کو بگاڑ دیتی ہے۔ ہاں ! ایک صورت ایسی ہی کہ لوہے کو زنگ نہیں لگتا، وہ یہ کہ لوہے کو پینٹ کر دو، اسی طرح اگر دل پر پینٹ کر دیا جائے، تو ناجنس کی صحبت کے برے اثرات سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے، دل کا پینٹ کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت ہے۔

غرض دل پر بھی زنگ لگ جاتا ہے: ”قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَمَا جِلَاؤُهَا؟

قال : كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلاوَةِ الْقُرْآنِ." صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! دل کے زنگ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرو اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرو۔ (شعب الإيمان للبيهقي:۱۸۵۹)

تلاوتِ قرآنِ پاک کے تین اہم فائدے

فرمایا: قرآنِ پاک کی تلاوت کے تین اہم فائدے ہیں:

۱- دل کا زنگ دور ہوتا ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی سے بات کرتا رہے، تو اس سے محبت ہو جاتی ہے، اسی طرح تلاوتِ قرآنِ پاک سے اللہ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے۔

۳- ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بلا سمجھے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں؛ تو وہ جاہل ہے یا بد دین ہے۔ حدیث میں فرمایا: "مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَه' بِهٖ حَسَنَةٌ ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا" کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ (السنن للترمذي:۲۹۱۰)

جو حدیث کو نہیں جانتا، وہ جاہل ہے اور اگر اس کو جاننے کے باوجود حدیث کے خلاف کہتا ہے؛ تو وہ گمراہ ہے، بد دین ہے۔

تلاوت کے دو اہم آداب

فرمایا: تلاوت کے دو اہم آداب ہیں:

پہلا ادب یہ ہے کہ دھیان کر کے تلاوت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سناؤ کیسا پڑھتے ہو؟

دوسرا ادب سننے والے کے لیے ہے، وہ یہ خیال کرے کہ احکم الحاکمین کا کلام ہے، محسنِ اعظم کا کلام سنایا جارہا ہے؛ اس لیے نہایت عظمت ومحبت کے ساتھ سننا چاہیے۔

اصلاحِ منکرات کے لیے جماعتی کام کی ضرورت

فرمایا: آج (ماشاءاللہ) دین کے بہت سے کام ہورہے ہیں: مدارس، مکاتب، مساجد اور جماعتیں دین کا کام کررہی ہیں؛ مگر منکرات کی روک ٹوک اور ان کی اصلاح کا کام نہیں ہورہا ہے، وہ انفرادی شکل میں ہے، اجتماعی طریقے پر نہیں ہورہا ہے۔ مدارس کے لیے کمیٹیاں ہیں، مساجد کے لیے کمیٹیاں ہیں؛ مگر مجھے بتاؤ کہ اصلاحِ منکرات کے لیے بھی کوئی جماعت ہے؟ تو میں ان سے ملنا چاہتا ہوں اور ان کو تحفہ بھی پیش کروں گا، اگر نہیں ہورہا ہے؛ تو ان کو کرنا چاہیے۔ بنگلہ دیش کے علما کام کررہے ہیں، وہ سب جڑتے ہیں اور جو روایات ورسومات ہیں، ان پر ہر طرح بیانات کرتے ہیں، تو ہر طرف سے یہ آواز جب اٹھتی ہے، تو لوگ مان لیتے ہیں، ان حضرات نے کام کیا تو انتالیس (۳۹) عیسائی اسکول بند ہو چکے ہیں؛ اس لیے اصلاحِ منکرات کے لیے اجتماعی کام ہونا چاہیے۔

علما کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں

فرمایا: علما کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں ہے؛ ورنہ وہ اپنے کو بے حیثیت نہ سمجھتے۔ ایک واقعہ عرض کردوں کہ جنرل ارشاد کے زمانے میں انھوں نے چاہا کہ ایک بڑی مسجد میں بیان کریں۔ جب اس مسجد کے امام کو پتہ چلا، تو انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے! مگر دو شرطوں کے ساتھ اجازت ہے: ایک یہ کہ مسجد میں سیاسی بیان نہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ تصویر کشی نہ ہوگی۔ جب وہ مقررہ دن ہوا، تو جنرل ارشاد اپنے حلقے کے

ساتھ جلوس کے ساتھ تصویر وغیرہ لیتے ہوئے مسجد کو آئے، امام صاحب جو چھوٹی ہی عمر کے تھے، وہ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو نہ روکے؛ تو پھر میں یہاں آج سے بیان نہ کروں گا۔ یہ سن کر سارے لوگ کھڑے ہو گئے اور جزل ارشاد کو مسجد میں جانے نہیں دیا؛ حتیٰ کہ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ دیکھا! علما کی کیا طاقت ہوتی ہے؟! پھر جزل ارشاد نے دو آدمیوں کو ان کے پیچھے لگایا کہ دیکھو! ان عالم صاحب کی کونسی سیاسی طاقت ہے؟ تحقیق کے بعد ان لوگوں نے بتایا کہ یہ محض مذہبی آدمی ہیں، سیاسی نہیں۔ جزل ارشاد نے پولیس کو حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے؛ مگر پولیس نے عذر کر دیا کہ اگر ہم گرفتار کریں؛ تو فساد ہوگا۔ لہٰذا فوج بھیجی جائے، وہ عالم تو گرفتار نہیں ہوئے، خود جزل ارشاد گرفتار ہو گیا، یہ ہے عالم کی طاقت!! جس کا اندازہ آج خود علما کو نہیں ہے۔

دین میں مخلص و مفلس کی پہچان

فرمایا: بغیر اخلاص کوئی عمل معتبر نہیں۔ رہا یہ کہ اخلاص ہے یا نہیں؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ امام عبدالوہاب شعرانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے: وہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ دین کا کام تم کر رہے تھے۔ مثلاً مدرسہ چلا رہے تھے یا اور کوئی دینی خدمت کر رہے تھے، اسی جگہ ایک دوسرا شخص بھی دین کا کام شروع کر دیا، مدرسہ کھول دیا یا اور کوئی دینی کام جاری کر دیا؛ تو دیکھو کہ اگر اس سے تم کو خوشی ہو، تو تم مخلص ہو اور اگر اس سے گرانی ہو؛ تو مفلس ہو۔ سمجھانے کے لیے ایک مثال بھی بیان کرتا ہوں کہ ایک بزرگ کا یا استاذ کا انتقال ہو گیا اور میت کا جسم بھی بہت بھاری ہے، لوگ میت کو اٹھانے کے لیے کم ہیں اور قبرستان بہت دور ہے، جنازہ تیار کر کے مسجد کو لے گئے وہاں بہت سے لوگ جنازہ میں شریک ہو گئے اور ساتھ ساتھ قبرستان بھی چلے، بتاؤ کہ اس سے تم کو خوشی ہوگی کہ نہیں؟ کہ فرض ادا کرنے میں یہ سب ہمارے مددگار بن

گئے ،اسی طرح دین کا کام بھی بھاری ہے، اگر ہمارے ساتھ دوسرا بھی اس میں شریک ہو جائے؛ تو گرانی کیوں ہو؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ ہمارا کام ہلکا ہو گیا۔ یہ ہے مخلص و مفلس کی پہچان!!۔

تبلیغ، تعلیم و تزکیہ

فرمایا: تبلیغ سے وجودِ اعمال ہوتا ہے کہ لوگ نمازی بنتے ہیں اور بھی دینی اعمال کرنے لگتے ہیں اور تعلیم سے بھی وجودِ اعمال ہوتا ہے کہ اس سے حافظ وقاری، عالم، مصنف و محدث تیار ہوتے ہیں اور تزکیۂ نفس سے قبولِ اعمال ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس تبلیغ و تعلیم دونوں سے اہم ہیں، اس کے بغیر اعمال قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتے۔

دین کا کام دینی انجینئر سے پوچھ کر کرو

فرمایا: آج لوگ دین کا کام بڑے شوق سے کرتے ہیں؛ مگر علمائے کرام سے اس کے بارے میں پوچھتے نہیں اور غلطی کر جاتے ہیں۔ دین کام ثواب کی نیت سے تو کیا جاتا ہے؛ مگر غلط طریقے پر کرنے سے ثواب نہیں ملتا۔ ایک جگہ جانا ہوا، دیکھا کہ مسجد کے اندر تپائیاں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہاں مسجد میں یہ تپائیاں کیوں ہیں؟ بتایا کہ یہاں تعلیم ہوتی ہے، میں نے پوچھا: اس کے بارے میں کسی عالم سے پوچھا، معلوم کیا؟ اب سب خاموش ہو گئے۔ ہر کام پوچھ کر کرو! کیوں کہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں، اس پر سات احکام میں سے کوئی ایک حکم ضرور لگتا ہے: فرض، سنت، مستحب یہ سب جنت کو لے جانے والے کام ہیں اور مکروہِ تنزیہی، مکروہِ تحریمی، حرام یہ دوزخ کو لے جانے والے کام ہیں؛ اس لیے علما سے جو دینی انجینئر ہیں پوچھ کر دین کا کام کرنا چاہیے۔

ایک جگہ ایک مسجد کے پیشاب خانے قبلہ رخ بنے ہوئے تھے، میں نے پوچھا:

بھائی ! یہاں متولی صاحب یا اور کوئی مسجد کے ذمے دار ہیں؟ وہاں سارے حضرات موجود تھے۔ میں نے متولی صاحب سے پوچھا کہ یہ پیشاب خانے کس لیے بنائے ہیں؟ کہا کہ استنجا کے لے۔ میں نے کہا کہ یہ تو ہے؛ مگر یہ بتائیے کہ یہ ثواب کے لیے بنائے ہیں؟ یا گناہ کے لیے؟۔ کہنے لگے کہ ثواب کے لیے۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ ثواب کے لیے بنائے ہوئے ہیں؟ کیا کسی دینی انجینئر سے پوچھا؟ تو کہا کہ مسجد کے کام کے لیے کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت؟ افسوس! یہ حال ہمارے دینی معاملات میں ہوگیا ہے کہ کسی عالم سے پوچھنے کی بھی فکر نہیں۔ اس بات کی توجہ دلانے کے بعد کہا کہ یہاں روزانہ کتنے آدمی استنجا کرتے ہوں گے؟ کہا: تقریباً سو(۱۰۰)۔ میں نے پوچھا کہ یہ بنے ہوئے کتنے دن ہوئے؟ کہا کہ ایک سال ہوا، میں نے کہا کہ اب حساب لگائیے کہ سال بھر میں کتنے لوگوں نے یہاں پیشاب کیا ہوگا؟ تین سو ساٹھ کو سو سے ضرب دینے سے ۳۶۰۰۰ (چھتیس ہزار) ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہاں پیشاب کرنے والے کو تو ایک گناہ ہوا اور طہارت خانہ قبلہ رخ بنانے والے کو ان سب کا مجموعہ یعنی ۳۶ ہزار گناہ آپ کے نامۂ اعمال میں درج ہوئے۔ یہ صرف بلاتحقیق کام کی وجہ سے۔ آپ سوچیں کہ اس پر انھوں نے پھاوڑا لے کر اسی وقت کھود ڈالا۔ غرض یہ کہ علما سے پوچھ کر عمل نہ کرنے کی وجہ سے، یہ غلطی ہوئی اور ثواب سے محرومی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائے۔

مجلسِ وعظ میں آنے کا فائدہ

فرمایا: ایک جگہ بستی کے باہر جلسہ تھا، سردی کا موسم تھا اور لاؤڈ اسپیکر (Loud Speaker) کا انتظام تھا؛ اس لیے لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے، وعظ سن رہے تھے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ جب سے لاؤڈ اسپیکر آیا، فائدہ آدھا رہ گیا۔ میں نے کہا کہ جب ''الاؤ'' جلایا جاتا ہے، تو اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ایک روشنی

کا فائدہ۔ دوسرا: گرمی کا فائدہ۔ اگر کوئی ''الاؤ'' سے دور بیٹھے: تو اسے روشنی تو ملے گی؛ مگر گرمی نہیں مل سکتی، اسی طرح وعظ دور دور بیٹھ کر سن لیں، تو آواز تو آ جائے گی؛ مگر مجلس میں آنے سے جو گرمی ملتی ہے، وہ کہاں سے ملے گی؟ اور عملی طاقت کیسے بڑھے گی؟ جب مجلس میں آئیں گے، تو اہلِ مجلس کے اخلاق واعمال کا اثر پڑے گا۔ کسی میں خشیت ہے، کسی میں محبتِ خداوندی ہے، کسی میں شکر ہے، کسی میں صبر ہے۔ ان کا اثر مجلس میں آنے والوں پر ہوگا۔ یہ سن کر سارا جلسہ گاہ بھر گیا اور لوگ قریب قریب جڑ کر بیٹھتے گئے۔

ظاہر، ترقیٔ باطن کا ذریعہ ہے

فرمایا: آج لوگ باطن کی تو کچھ اہمیت سمجھتے ہیں؛ لیکن ظاہر کی کچھ اہمیت نہیں سمجھتے؛ حال آں کہ بعض دفعہ ظاہر، ترقیٔ باطن کا ذریعہ وسبب ہوتا ہے۔ اس کی ایک حسی مثال ہوائی جہاز ہے کہ ہوائی جہاز کی مشین ٹھیک ہے، انجن ٹھیک ہے، صرف اس کے پہیے پنچر (Puncher) ہو گئے، تو کیا ہوائی جہاز اڑ سکتا ہے؟ ان پہیوں کے ساتھ تو چل بھی نہیں سکتا، اڑے گا کیسے؟ اب غور کیجیے کہ ہوائی جہاز کا باطن تو ٹھیک ہے، صرف ظاہر میں خرابی پیدا ہو گئی، تو اس کی پرواز بند ہو گئی۔ ترقی رک گئی، اس کے پہیے ٹھیک ہوں، تو ترقی ہوگی۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ کبوتر صحیح سالم ہے؛ مگر اس کے پر کاٹ دیئے گئے ہیں۔ باطن تو ٹھیک ہے، صرف ظاہر میں عیب و نقصان پیدا ہو گیا تو اب وہ کبوتر اڑ سکتا ہے؟ نہیں اڑ سکتا۔ دیکھیے! صرف ظاہر کی کمی سے اس کی ترقی رک گئی۔ معلوم ہوا کہ ظاہر ٹھیک ہوتا ہے، تو باطن بھی ترقی کرتا ہے؛ ورنہ اس کی ترقی رک جاتی ہے، آج مسلمانوں نے ظاہر دین کو چھوڑ دیا، تو ان کی باطنی ترقی رک گئی۔

ظاہر، باطن کا محافظ ہوتا ہے

فرمایا: ظاہر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے باطنی ترقی ہوتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ظاہر، باطن کا محافظ ہوتا ہے۔ کبوتر کے اگر پَر ہوں، تو وہ اپنے دشمن سے بچنے کے لیے اڑ سکتا ہے؛ لیکن اگر کبوتر کے پَر کاٹ دیئے جائیں، تو کیا وہ اڑھ سکتا ہے؟ نہیں اڑ سکتا ہے۔ اب اس کبوتر کو ایک معمولی بچہ بھی پکڑ سکتا ہے اور کاٹ کر بھون کر کھا سکتا ہے۔ اگر کبوتر کے پَر ہوتے؛ تو اس کو کوئی بھی نہ پکڑ سکتا۔ معلوم ہوا کہ پَر کبوتر کے محافظ تھے۔ اسی طرح ظاہرِ دین پر عمل، مسلمانوں کا محافظ ہے۔ جب سے مسلمانوں نے ظاہر دین کو چھوڑ دیا، ہر شخص ان کو پکڑتا، مارتا اور ان پر ظلم کرتا ہے؛ اس لیے ظاہرِ دین پر بھی عمل کرنا چاہیے، اس کو بے کار نہ سمجھنا چاہیے۔

ظاہر، دوسروں کی ترقی کا بھی ذریعہ

فرمایا: ظاہرِ دین پر عمل سے جس طرح خود اپنے باطن کی ترقی ہوتی ہے، اسی طرح اس سے دوسروں کے باطن کی بھی ترقی ہوتی ہے۔ اس کی مثال بھی وہی ہوائی جہاز ہے کہ اگر ہوائی جہاز کا پہیہ پنچر (Puncher) ہو جائے، تو جیسے ہوائی جہاز اڑ نہیں سکتا، اسی طرح حاجی لوگ بھی کھڑے رہیں گے، ان کی ترقی بھی رک جائے گی اور اگر ہوائی جہاز کے پہیے ٹھیک و درست ہوں، تو جیسے خود ہوائی جہاز اڑ سکتا ہے، اسی طرح حاجی حضرات بھی پرواز کر کے مکہ پہنچ سکتے ہیں۔ اسی طرح ظاہرِ دین پر عمل کرنے سے دوسروں کو دین کی طرف توجہ ہوتی ہے اور ان کو باطنی ترقی نصیب ہوتی ہے۔

سائن بورڈ (Sign Board) الٹا کر کے لگا دیجیے

فرمایا: ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایک عالم نے اپنی تقریر میں کہا کہ جو ڈاڑھی نہ رکھے؛ وہ مسلمان نہیں رہتا، کیا یہ صحیح ہے؟ کہنے لگے کہ باطن درست ہونا

چاہیے، ظاہر کا کیا ہے؟ میں نے کہا کہ ان عالم صاحب نے کیا کہا اور آپ نے کیا سمجھا؟ یہ تو معلوم نہیں، رہا یہ کہ باطن درست ہونا کافی ہے، اب فرصت نہیں ہے، میں پھر اس کا جواب دوں گا۔ دو چار دن کے بعد میں ان کی دکان پر گیا، وہ تاجر تھے۔ میں نے کہا: کہ آپ وعدہ کیجیے کہ میں جو کہوں گا؛ ویسا کریں گے۔ کہنے لگے کہ میرے بس میں ہوگا؛ تو کروں گا۔ میں نے کہا کہ آپ کی دکان پر جو سائن بورڈ ہے، اس کو الٹا کر کے لگا دیجیے۔ کہنے لگے کہ میں یہ کام تو نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا کہ آپ نہ کر سکیں، تو کسی اور مزدور سے کروا دیجیے، کہنے لگے کہ لوگ بے وقوف سمجھیں گے۔ میں نے کہا کہ اگر سائن بورڈ الٹا ہو جائے، تو اس کا باطن تو درست ہی ہے، ظاہر خراب ہے اس میں کیا مضائقہ؟ ان کی سمجھ میں آیا کہ ظاہر کی بھی ضرورت ہے۔ دنیا کے معاملات میں تو لوگ عقل مند ہوتے ہیں؛ مگر دین کے معاملے میں اس کو نہیں برتتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اسراف سے پرہیز

فرمایا: حضرت مولانا معظم صاحب رحمہ اللہ (مبلغِ دار العلوم دیوبند) جو بڑے عالم تھے، انھوں نے سنایا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک شخص آئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور اپنی ضرورت کا ذکر کرو کہ وہ تمھاری امداد کریں گے۔ وہ صحابی مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، مغرب کے فوری بعد کچھ روشنی بھی ہوتی ہے، وہاں چھوٹی چھوٹی دیواریں ہوتی تھیں، جب وہ صحابی ایک مکان کے قریب گئے، تو انھوں نے سنا کہ گھر کے اندر سے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی آواز آرہی ہے، وہ اپنی بیوی سے فرما رہے ہیں کہ تم نے چراغ میں اتنی موٹی

بتی کیوں ڈال دی؟ کہ تیل زیادہ خرچ ہوگا۔ یہ سن کر وہ صحابی رضی اللہ عنہ سوچنے لگے کہ اتنی سی بات پر اپنی بیوی سے باز پرس کر رہے ہیں، میرا ہزاروں کا مطالبہ ہے، وہ کیا پورا کریں گے؟ یہ سوچ کر گھر واپس چلے آئے، کئی دن بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں حاضر ہوئے، تو آپ نے پوچھا کہ تم حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے؟ انھوں نے نفی میں جواب دے دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے (جو مجلس میں موجود تھے) ان کی ضرورت کا اظہار کیا، تو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ گئے اور ایک تھیلی میں درہم لا کر پیش کر دیئے۔ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل اور اس پہلے عمل میں فرق دیکھ کر ان صحابی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھ لیا کہ آج تو آپ نے مجھے اتنے سارے درہم دے دیئے؛ مگر چند دن قبل آپ اپنی بیوی کو صرف اتنی سی بات پر ٹوک رہے تھے، کہ بتی موٹی کیوں ڈال دی، یہ کیا بات ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہاں موٹی بتی کی ضرورت نہیں تھی؛ لہٰذا وہ اسراف تھا؛ اس لیے میں نے اس پر باز پرس کی اور یہ آپ کی ضرورت ہے، اس میں اسراف نہیں۔"

وضو میں بھی اسراف منع ہے

فرمایا: پانی کتنا سستا ہے؟! اور کس قدر کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کتنی آسانی سے مل جاتا ہے؟! مگر اس کے باوجود حکم یہ ہے کہ وضو میں زیادہ یعنی بے ضرورت استعمال نہ کیا جائے، جب وضو میں بھی اسراف جائز نہیں، تو دیگر امور میں کیسے درست ہوگا؟

اسراف کی تعریف اور ایک واقعہ

فرمایا: اسراف بے ضرورت خرچ کرنے کا نام ہے۔ جیسے حرام کاموں میں خرچ کرنا، یا حرام تو نہیں؛ مگر اندیشہ ہے کہ اس جائز کام سے حرام میں ابتلا پیش آئے گا، تو یہ بھی اسراف ہے، حرام میں خرچ کرنے کی مثال یہ ہے کہ ٹیلی ویژن خریدے، یہ اسراف ہے اور جو کام مباح و جائز ہیں؛ مگر اس کی وجہ سے حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے، تو یہ بھی اسراف ہے۔ جیسے دعوت کرنا جائز ہے؛ مگر بعض لوگ دعوت کے لیے قرض لیتے ہیں اور بلا ضرورت قرض لینا درست نہیں اور قرض بھی سود پر لیتے ہیں، تو ایک مباح کے لیے حرام کا ارتکاب ہوا، یہ بھی اسراف ہے۔ بعض لوگ ولیمہ کرتے ہیں اور ہزاروں کی دعوت ہوتی ہے، قرض لیتے ہیں اور اس میں خرافات پر بھی خرچ کیے جاتے ہیں، یہ بھی وہی اسراف ہے اور لوگ اس کو "سنت" کہتے ہیں!! جو سنت، کہ اس پر کوئی خرچ نہیں آتا، اس کو کرنے تیار نہیں اور فضول و اسراف کرنے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو غرض یہ کہ حرام کاموں میں خرچ کرنا اسراف ہے اور جو مباح کام حرام کاموں میں ابتلا کا ذریعہ بنتا ہے، اس میں خرچ کرنا بھی اسراف ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے، یہ بات نہیں ہے۔

ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک بزرگ بہت خرچ کرتے تھے، ایک صاحب نے دیکھا، تو ان کو پرچی لکھی کہ "لا خیر في الإسراف" (اسراف میں کوئی خیر نہیں) تو ان بزرگ نے ان ہی الفاظ کو الٹ پلٹ کر کے اس کا جوب دے دیا کہ "لا إسراف في الخیر" (خیر میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہے)۔

ایک ہی چیز، کسی کے لیے اسراف اور کسی کے لیے ضرورت

فرمایا: ایک چیز، کسی کے لیے اسراف اور کسی کے لیے ضرورت ہو سکتی ہے۔ مثلاً

ایک شخص صرف دکھاوے کے لیے، اپنی شان اور بڑائی کے اظہار کے لیے موٹر سائیکل خریدتا ہے، تو یہ اسراف ہے؛ لیکن ایک اور شخص ہے اس کا دفتر بہت دور ہے، وقت پر پہنچنے کے لیے موٹر سائیکل خریدتا ہے، تو یہ اسراف نہیں، اس کی ضرورت کی چیز ہے۔ اسی طرح کپڑے میں اور دیگر چیزوں میں یہ دیکھنا ہے کہ ضرورت کے لیے ہے تو ٹھیک، اگر دکھاوے کے لیے ہو، بڑائی وشان کے لیے ہو، تو ناجائز و اسراف ہے

﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ کے اوصاف

فرمایا: انیسویں پارے میں اللہ کے مخصوص ومقرب بندوں کی تعریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں، تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل کرتے ہیں؛ بل کہ درمیانی رفتار سے کام کرتے ہیں۔ اس میں نیک ومخصوص بندوں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ حد سے زیادہ بھی خرچ نہیں کرتے اور بخل بھی نہیں کرتے۔

''بخل'' کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جہاں خرچ کانے کا حکم دیا ہے، وہاں خرچ نہ کرنا ''بخل'' ہے۔ جو زکوۃ دیتا ہے، قربانی کرتا ہے، محتاج وفقیر کو دیتا ہے، وہ بخیل نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی اوصاف نیک بندوں کے بیان کیے گئے ہیں، جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے، گویا یہ اوصاف نیک بندوں کی وردی ہے۔ جیسے پولیس کی پہچان اس کی وردی سے ہوتی ہے، ایسے ہی نیک بندوں کی پہچان، ان کے اعمال واوصاف سے ہوتی ہے۔

پہلی پہچان یہ بتائی کہ وہ عاجزانہ انداز سے چلتے ہیں، ان میں تواضع کی شان ہوتی ہے: ﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان: ٦٣)

دوسری پہچان یہ بتائی کہ جاہل لوگ ان کو چھیڑتے ہیں، تو ان کو سلامتی کا جواب دیتے ہیں۔ بعض ہوتے ہیں جو بزرگوں کو چھیڑتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے، ان سے

ایک بڑی بی نے چھیڑنے کے لیے کہا کہ آپ کی ڈاڑھی اچھی ہے یا میرے بکرے کی اچھی ہے؟ ان بزرگ نے ٹال دیا اور جب انتقال کا وقت آیا، تو فرمایا کہ جنازہ جب تیار ہو کر جانے لگے، تو اس بڑی بی کے مکان کی طرف سے لے جانا، چناں چہ جنازہ اُدھر سے لے گئے، تو وہ بڑی بی کے مکان کے پاس اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا کہ بڑی بی! اب تمھارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میری ڈاڑھی تمھارے بکرے کی ڈاڑھی سے اچھی ہے؟ کیوں کہ الحمد اللہ میرا انتقال ایمان کے ساتھ ہوا ہے۔ غرض نیک لوگوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جاہلوں سے سلامتی کا معاملہ کرتے ہیں۔

اور تیسری صفت یہ ہے کہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں، جب کہ سب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ بتائی کہ عبادت کر کے بھی جہنم سے پناہ چاہتے ہیں اور جہنم سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں، یہ نہیں کہ چند دن عبادت کی اور سمجھ گئے کہ کامل ہو گئے اور کمال کے خیال سے نڈر ہو گئے، ایسا نہیں کرتے؛ بل کہ عبادت کر کے بھی اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

''مسلمان'' کون ہے؟ ایک حدیث کی شرح

(مدرسۂ مسیح العلوم کے ایک طالبِ علم نے معمول کے مطابق عصر کی نماز کے بعد ایک حدیث، ایک مسئلہ، ایک ادب اور ایک بڑا گناہ بیان کیا اور حدیث یہ بیان کی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ حضرت اقدس دامت فیوضہم نے اس حدیثِ پاک کی تشریح فرمائی۔)

فرمایا: ابھی ایک طالب علم نے جو حدیث اور اس کا ترجمہ سنایا، اس پر بہ ظاہر ایک سوال و اعتراض پیدا ہوتا ہے؛ اسی لیے قرآن و حدیث کا ترجمہ ہر شخص نہیں کر سکتا

اور صرف زبان جان لینے سے اس تہہ کو نہیں پہنچ جاتا؛ بل کہ ماہر و محقق علما ہی قرآن وحدیث کی تہہ تک پہنچتے ہیں؛ اس لیے حدیث کا ترجمہ کافی نہیں؛ بل کہ اس کی مراد ومطلب بھی معلوم کرنا چاہیے۔ایک صاحب نے ایک دفعہ مجھ سے سوال کیا کہ اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے، تو کیا صرف مسلمان محفوظ رہیں اور دوسروں کو اس سے تکلیف ہوتی رہے؟ اور مسلمان بھی صرف ہاتھ وزبان سے محفوظ رہیں، تو کیا پیروں سے مار دے، تو اس کی مسلمانیت میں فرق نہیں آتا؟ میں نے عرض کیا کہ ریل گاڑی میں سفر کرتے ہیں، تو اس تھوڑی دیر کے سفر میں آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا اور تھوڑی دیر کے لیے نیک بن جانا آسان ہے اور کوئی خوبی وکمال کی بات نہیں؛ لیکن بھائی جس کے ساتھ ہر وقت کا اٹھنا، بیٹھنا ہو ان کو تکلیف نہ پہنچانا یہ بڑی خوبی وکمال ہے، جیسے مدرسے کے طلبہ آپس میں ملتے اور مل کر کھاتے پیتے رہتے ہیں یا آپس میں اس طرح رہیں گے کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، تو یہ کمال کی بات ہے۔ جب ایک کمرے میں رہنے والے ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاتے، تو کیا یہ محلے کے لوگوں کو تکلیف پہنچائیں گے؟ دوسرے محلے والوں اور غیر لوگوں کو پہنچائیں گے؟ نہیں! اسی طرح چوں کہ مسلمان مسلمانوں کے ساتھ رہتا ہے، غیر قوموں کے ساتھ کم ملنا ہوتا ہے؛ اس لیے یہ فرمایا گیا کہ مسلمان وہ ہے، جس سے مسلمان محفوظ رہیں، جب مسلمان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں، وہی اس سے محفوظ رہتے ہیں، تو غیر مسلم لوگ جو اس کے ساتھ نہیں رہتے، ان کو یہ کیسے تکلیف پہنچائے گا؟

دوسری بات یہ ہے کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کمزور آدمی کی زبان چلتی ہے اور طاقتور کا ہاتھ چلتا ہے، دوسرے اعضا سے تکلیف پہنچانے کا نمبر ان کے بعد آتا ہے؛

اس لیے حدیث میں زبان اور ہاتھ کی قید لگا دی گئی ہے، جب زبان سے اور ہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچاتا، تو کیا لات مار دے گا؟ نہیں؛ لہٰذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ کسی کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ پہنچائے۔ دیکھا! ترجمہ کچھ ہے، مطلب کچھ ہے؛ اس لیے علما سے رجوع کر لینا چاہیے۔

ایک برا کلمہ وعمل ساری زندگی تباہ کر دیتا ہے

فرمایا: ایک برا کلمہ یا برا عمل ساری زندگی کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ مثلاً والد کی چالیس سال خدمت کیا؛ مگر ایک بات ان کی شان کے خلاف کہہ دی، تو کیا ہوگا؟ ایک صاحب نے بتایا کہ ان کا لڑکا دیر سے پہنچا، تو انھوں نے سمجھایا کہ اتنی دیر سے کیوں آئے؟ تو بیٹے نے کہا کہ بڑے میاں سٹھیا گئے ہو؟۔ اب دیکھیے! یہ ایک ہی تو کلمہ ہے، جس نے ساری زندگی پر پانی پھیر دیا، اسی طرح کوئی سرکاری ملازم بہترین خدمت و ملازمت کر رہا تھا؛ مگر ایک دن رشوت لیتا ہوا پکڑا گیا، یہ ایک ہی غلطی ہے؛ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ملازمت سے علیحدہ کر دیا جائے گا، اسی طرح امام نے مسجد میں بڑی خدمت کی؛ مگر ایک دن اس نے پستول نکال کر کسی پر چلا دیا، یہ بھی تو ایک ہی عمل ہے؛ مگر نتیجہ کیا ہوگا؟ اسی طرح ایک گناہ بھی انسان کا اوپر سے نیچے گرانے یعنی جنت سے دوزخ میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔

بڑے گناہ نیکیوں کو کھا جاتے ہیں

فرمایا: نیکیاں چھوٹے گناہوں کو کھا جاتی ہیں ”اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ“ (نیکیاں سیئات کو کھا جاتی ہیں)۔ ”سیئات“ چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں؛ لیکن بڑے گناہ نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے، جس کے پاس پیسہ، مال نہ ہو۔فرمایا کہ نہیں! مفلس وہ ہے، جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لے کر آئے گا؛ مگر اس کے ہاتھ کسی کا مال دبایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کا مال غصب کیا ہوگا۔اسی میں وہ جوڑے گھوڑے کی رقم بھی ہے،لوگ اس رقم سے دعوتِ ولیمہ کرتے ہیں اور لوگ جا کر کھاتے ہیں،سوچو کہ کیا چوری کر کے مال لائے، رشوت لے کر مال جمع کرے اور ہماری دعوت کرے،تو کیا ہم اس کی دعوت کھائیں گے؟ پھر جوڑے کی رقم سے کس طرح کھاتے ہو؟ غرض نیکیوں کے ساتھ یہ گناہ بھی اس پر ہوں گے،اس کا علاج کیا تھا؟ معافی مانگنا اور لوگوں کے حقوق کو واپس کرنا،اگر معافی نہ کرایا؛ تو حشر میں لوگ مطالبہ پیش کریں گے،اب یہ ہوگا کہ اس کی نیکیاں اٹھا کر ان مطالبہ کرنے والوں کو دے دی جائیں گی،اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور لوگوں کا پھر بھی مطالبہ باقی رہا،تو اب دوسروں کے گناہ لے کر اس کے سر ڈالے جائیں گے۔یہ ہے دین کا مفلس؛اس لیے دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہیے اور حقوق میں کمی نہ کرنا چاہیے۔

ہر ایک کا حق ادا کرنا سیکھو

فرمایا: میں کہا کرتا ہوں کہ حافظ ہونا آسان ہے، عالم بننا آسان ہے؛لیکن مسلمان بننا مشکل ہے؛ کیوں کہ حافظ دو قسم کے ہیں: بے عمل و باعمل ؛مگر مسلمان وہ ہے، جو گناہ سے بچتا ہے۔ وہ ولی ہوتا ہے۔کیا ولی کی بھی دو قسمیں ہیں؟نہیں! ہر ولی اللہ کا مقرب ہوتا ہے۔مسلمان بننا بھی سیکھنا چاہیے۔اب لوگ سیکھتے نہیں ؛اس لیے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ڈرائیوری کیا مشکل نہیں ؟ مگر جب سیکھ لیتا ہے،تو آسان ہو جاتا ہے۔ڈرائیور کی طرح سب کا لحاظ رکھنا چاہیے،سب کے حقوق ادا کرنا چاہیے۔ مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ سب کا حق ادا کرتا ہے،اللہ کا بھی، بندوں کا بھی، ماں کا بھی، بیوی کا بھی، بچوں کا بھی، رشتہ داروں کا بھی۔ماں کی طرف مائل ہو کر بیوی کا

حق ادا نہ کرنا یا بیوی کی طرف مائل ہو کر ماں سے غفلت کرنا جرم ہے۔ لہٰذا دین پر چلنا سیکھو، جس طرح ڈرائیوری سیکھی جاتی ہے۔ راستے میں کتنی سواریاں چلتی ہیں! مگر ڈرائیور صحیح ہو، تو سب کی رعایت کرتا ہوا گاڑی چلائے گا؛ ورنہ ٹکر ہو جائے گی، اسی طرح دین پر چلنا سیکھو؛ تاکہ سب کے حقوق صحیح طریقے پر ادا کر سکو۔

حضرتِ مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا ذکر

فرمایا: ایک دفعہ مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ ہندوؤں کے کسی میلے میں گئے اور ان کے ساتھ حضرت سید احمد شہید صاحب بریلوی رحمہ اللہ بھی گئے، اس زمانے میں سید صاحب رحمہ اللہ، مولانا شہید رحمہ اللہ سے پڑھتے تھے، میلے میں گھومتے رہے؛ مگر نہ کچھ خریدا، نہ بیچا، اس پر مولانا شہید رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کو بڑا جوش آیا اور کہنے لگے کہ آپ نے کس لیے پڑھا ہے؟ کیا کفار کا میلہ بڑھانے کے لیے؟ آپ شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر رحمہما اللہ کے بھتیجے ہو کر ایسی حرکت کرتے ہیں! کس قدر شرم کی بات ہے؟!! سید صاحب نے اس تیز لہجے میں کہا۔ اس پر مولانا شہید رحمہ اللہ نے کہا: مجھ سے غلطی ہوگئی، آپ بجا فرماتے ہیں، پھر اس کے بعد کبھی کسی میلے میں نہیں گئے۔ یہ حضرات تھے ہمارے اکابر! کہ اپنے شاگرد کی بات کو اور وہ بھی تیز لہجے میں قبول کر لیا۔

ٹخنے ڈھانکنے پر چار وعیدیں

فرمایا: بعض کام لاعلمی یا کم علمی کی وجہ سے ہوتے ہیں؛ لہٰذا علم حاصل کرنا چاہیے، مثلاً بہت سے لوگ ٹخنے ڈھانکتے ہیں؛ حال آں کہ اس پر چار وعیدیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں، جو کپڑا بدن کے اوپر کی جانب سے پہنتے ہیں، وہ اگر ٹخنوں کو ڈھانک لے؛ تو وہ حصہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ وہ چار وعیدیں، میں اپنی ترتیب سے بیان

کرتا ہوں:

۱- ٹخنے ڈھانکنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا مقرب نہیں بنائے گا۔ سوچو کہ جس کی وردی ٹھیک نہ ہو، اس کو افسر اپنا مقرب بنائے گا؟ نہیں بنائے گا۔ پولیس وردی کے بغیر ڈیوٹی دے، تو معتبر نہیں، اگر ایک جگہ سپاہی ہو؛ مگر اپنی وردی اس نے نہ پہنی ہو اور کوئی پوچھے کہ کیا سپاہی موجود ہے؟ ہم کہتے ہیں: نہیں ہے، حال آں کہ سپاہی تو ہے، صرف وردی نہیں ہے؛ مگر ہم وردی نہ ہو، تو سپاہی ہونے کی نفی کر دیتے ہیں، ایسا ہی مسلمانوں کی وردی بھی ہے، ٹخنے کھلے ہونا چاہیے، جو اس کو ڈھانکتا ہے، وہ گویا وردی نکال دیتا ہے، وہ اللہ کا مقرب نہیں بن سکتا۔

۲- دوسری وعید یہ ہے کہ اس پر نظرِ عنایت ورحمت نہ ہوگی۔

۳- تیسری وعید یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا۔

۴- اور چوتھی وعید یہ ہے کہ اس کو دردناک عذاب بھی دیا جائے گا۔

(الصحیح للمسلم، کتاب الإیمان:۱۷۱-أبو داود، کتاب اللباس:۴۰۸۷)

جنت کے دو راستے ہیں

فرمایا: جنت میں جانے کے دو راستے ہیں: ایک راستہ بالکل صاف۔ یہاں سے گئے اور سیدھے جنت میں پہنچ گئے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ درمیان میں رک رک کر، مصیبتیں برداشت کر کے جنت میں جاؤ۔ یہاں سے گئے قبر میں، عذاب شروع ہوگیا، پھر آگے کی منزلوں میں بھی پریشانی ہوتی رہی، راستے میں پل صراط سے گزرے، تو اس سے کٹ کر جہنم میں گر گئے؛ پھر عذاب پانے کے بعد جنت میں داخلہ ہوگا۔ یہ دوسرا راستہ ہے۔ پہلا راستہ سنت کا راستہ ہے کہ سنت پر چلو، سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

عورتوں اور بچوں کے لیے روحانی خوشبو

فرمایا: اولاد کے کھانے پینے کی جس طرح فکر کی جاتی ہے اور اس کے لیے مشقت برداشت کی جاتی ہے، اسی طرح ان کی تربیت اور روحانی غذا کا بھی انتظام کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ایک بات عرض کرتا ہوں کہ بچے سوئے ہوئے ہوں، تو ان کے قریب بیٹھ کر قرآنِ پاک کی تلاوت کرو، کانوں کے ذریعے اس کا اثر ان کے اندر پہنچے گا، جس طرح خوشبو مکان میں پھیلتی ہے اور دماغ پر اثر انداز ہوتی ہے، اسی طرح تلاوت بھی ان کے اندر اثر کرے گی۔

اسی طرح ایک معمول یہ رکھو کہ کسی عالم کو بلا کر گھر میں وعظ سنا دیا کرو، گھر کے افراد اور آس پاس کے افراد، عورتیں، بچے اس کو سن لیں گے؛ مگر اس موقعے پر واعظ کو کچھ بھی ہدیہ و تحفہ نہ دو اور نہ چائے وائے ہو اور نہ انڈا ہو، کچھ نہیں۔

ایک معمول یہ بھی بناؤ کہ دین کی کوئی بات پانچ یا دس منٹ کے لیے پڑھ کر سناؤ۔ ہمارے یہاں الحمد اللہ اس کا معمول ہے کہ گھر جا کر جو بھی گھر میں ہیں، ان کو دین کی کتاب سناتا ہوں، یہ بہت اچھا نظام ہے اور بہت اثر کرنے والا ہے۔

غصہ - اس کے نتائج اور علاج

فرمایا: غصہ بہت بری چیز ہے، اس کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ غصے کی وجہ سے بہت سے گھر برباد ہو گئے۔ ہاں! یاد رکھو غصہ کا آنا برا نہیں، اگر غصہ خود برا ہوتا، تو نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو کیوں آتا؟ حال آں کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو کبھی اتنا غصہ آتا کہ آپ کا چہرہ انار کی طرح سرخ ہو جاتا۔

(مسند أحمد: ٦٨٤٥)

تو غصے کی بات پر غصہ تو آنا چاہیے؛ مگر اس کا استعمال صحیح طریقے سے ہو کہ اللہ

کے لیے استعمال کیا جائے۔

حدیث میں ہے کہ محبت بھی اللہ کے لیے ہو، بغض بھی اللہ کے لیے ہو۔ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ میری بیوی کو غصہ بہت ہے اور وہ غصے میں آ کر بچوں کو کوستی ہے، اس پر مجھے بھی غصہ آتا ہے اور میں غصہ کرتا ہوں اور وہ گھر کا کام چھوڑ جاتی ہے، میں کیا کروں؟ میں نے لکھا کہ جب وہ غصہ کرے، تو غصے کے وقت آپ کچھ نہ کہیں، جب ان کا غصہ اتر جائے، تو ان کو سمجھاؤ کہ تم نے بچوں کو غصے میں کوسا تھا، اگر ویسا ہی ہو جائے؛ تو کیا تم کو یہ منظور ہے؟ چند دن کے بعد ان کا خط آیا کہ اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ ایک فائدہ یہ ہوا کہ پہلے وہ کام جو وہ چھوڑ کر بیٹھ جاتی اور کھانا بند ہو جاتا تھا، وہ بات ختم ہو گئی، اب کھانا وقت پر مل رہا ہے۔ پھر چند دنوں کے بعد خط آیا کہ اب ان کا غصہ بھی ختم ہو گیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کو ایک عالم نے لکھا کہ ہم کو غصے کا علاج تو معلوم ہے کہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ پانی پی لو، وضو کر لو؛ مگر غصے کے وقت یاد نہیں رہتا۔ فرمایا کہ یہ لکھ کر اپنے سامنے لگا لو کہ برابر اس پر نظر پڑتی رہے۔ تو یہ علاج ہے غصے کا، پانی پی لینا، غسل کر لینا، وضو کر لینا، جس پر غصہ آیا ہے، اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دینا، علاج کرے گا، تو جیسے جسمانی بیماری علاج کرنے سے ختم ہو جاتی ہے؛ اسی طرح اس کا بھی علاج ہو جاتا ہے۔

اللہ کے لیے غصہ

فرمایا: مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آپ حرامی ہو کر وعظ کہتے ہیں؟ مولانا نے کہا کہ خبردار! کوئی ان کو کچھ نہ کہے، پھر نرم لہجے میں کہا کہ آپ کو کسی نے غلط خبر دی ہے؛ ورنہ میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ موجود ہیں، پھر وعظ شروع کر دیا، اس آدمی نے کہا کہ آپ کو لوگوں پر غصہ ہوتے دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ نفس کے لیے ہے یا اللہ کے

لیے، اب معلوم ہو گیا کہ آپ رحمۃ اللہ کا غصہ اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

اصلاحِ منکر - ایک فطری جذبہ ہے

فرمایا: دو قسم کے کام ہوتے ہیں: ایک نامناسب اور ایک مناسب۔ کام کی اصلاح ہر انسان چاہتا ہے۔ میں ہر انسان سے کہہ رہا ہوں، ہر انسان مسلمان نہیں؛ کیوں کہ نامناسب بات کو درست کرنے کی فکر سب کو ہوتی ہے، گھروں میں بچے ماں باپ سے اپنے بھائیوں کی شکایت کرتے ہیں کہ بھیّا نے بستر پر جوتے رکھ دیئے یا دیوار پر لکیر ڈال دی، یہ نامناسب بات پر نکیر ہی تو ہے، معلوم ہوا کہ منکرات کی اصلاح کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے؛ مگر شرعی منکرات پر نکیر کے سلسلے میں لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

حضرتِ والا رحمۃ اللہ کے نواسے کا واقعہ

فرمایا: بات میں بات نکلتی ہے۔ مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ ایک دفع ایک صاحب جو میرے مہمان تھے، میرے ساتھ بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے اور میرا ایک نواسہ جو صرف تین ساڑھے تین سال کی عمر کا تھا، وہ بھی میرے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان صاحب نے چائے کی پیالی اپنے بائیں ہاتھ سے اٹھائی، تو وہ بچہ فوراً کہہ اٹھا کہ آپ بائیں ہاتھ سے چائے پیتے ہیں؟ بائیں سے تو شیطان پیتا ہے۔ دیکھیے! اس بچے کو کس نے سکھایا کہ تم اس طرح کہنا؛ مگر گھروں میں جو باتیں ہوتی ہیں، اس سے اس نے سمجھ لیا اور اس کام کی برائی اس کے ذہن میں اتر گئی۔ جب ایک کام کو برا سمجھ لیا، تو اس پر نکیر اور اس کی اصلاح تو فطری بات ہے۔

مکھی کی چٹنی کون کھاتا ہے؟

فرمایا: آج لوگ طبعی منکرات پر تو نکیر کرتے ہیں اور اس کو برا سمجھتے ہیں؛ مگر شرعی

منکرات اور گناہوں کو برا نہیں سمجھتے اور نہ اس پر نکیر کرتے ہیں۔ ایک صاحب جو اچھے خاصے دین دار تھے۔ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایک تقریب میں جانا ہوا، وہ لوگ بہ ظاہر دین دار تھے؛ مگر جا کر دیکھا، تو وہاں بہت سی خرافات تھیں۔ میں نے کہا: آپ چلے کیوں نہیں آئے؟ کہنے لگے کہ اگر میں چلا آتا، تو لوگ برا سمجھتے اور میں نکو بنتا۔ میں نے کہا کہ اچھا بتایئے! اگر وہ لوگ تقریب میں آپ کو ایک پلیٹ پیش کرتے اور اس پر چاندی کا ورق بھی لگا ہوتا؛ مگر اس پلیٹ میں کیا ہے؟ مکھی کی چٹنی۔ اگر وہ لوگ یہ پلیٹ دے کر اصرار کریں کہ کھایئے، یہ ہمارے یہاں کا رواج ہے کہ مہمان کو مکھی کی چٹنی کھلاتے ہیں اور اس پر چائے پلاتے ہیں تو تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے کہ نہیں کھاؤں گا اور چلا آؤں گا۔ میں نے کہا کہ پھر یہاں بھی نکو بنو گے؛ مگر چوں کہ یہ طبعی منکر ہے، اس پر نکیر کریں گے اور اپنے کو اس سے بچائیں گے؛ مگر شرعی منکر کو برداشت کرلیں گے، یہ کیوں؟ شرعی منکر تو خدا کی اور رسول کی ناپسندیدہ چیز ہے۔ جب اپنی ناپسندیدہ چیز کو برداشت نہیں کرتے، تو خدا اور رسول کی ناپسندیدہ چیز کیوں برداشت کرتے ہو؟!۔

منکر پر نکیر نہ کرنے کا نتیجہ - ایک واقعہ

فرمایا: منکر اور گناہ کے کام پر نکیر نہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ایک شخص ڈاکہ ڈالنے کے جرم میں پکڑا گیا اور اس کو پھانسی کی سزا ہوگئی، جب اس کو پھانسی دینے کے لیے لے جایا رہا تھا، تو اس نے کہا کہ وہ اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہے۔ چناں چہ اس کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے اس کی ماں کو لایا گیا۔ اس نے اپنی ماں کو اپنے قریب بلایا اور اچانک دانتوں سے ماں کا کان کاٹ لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت اور وہ بھی ماں کے ساتھ کیوں کی؟۔ اس نے کہا کہ آج میری جو ذلت وخواری ہو رہی ہے اور مجھے جو سزا دی جائے گی، وہ سب میری ماں ہی

کی وجہ ہے؛ کیوں کہ بچپن میں جب میں ٹرکوں سے، گاڑیوں سے گنا چرایا کرتا اور لاکر ماں کو دیتا تھا، تو میری ماں نے کبھی مجھے اس سے روکا نہیں؛ بل کہ یہ کہتی تھی کہ ایسا چرانا کہ کوئی دیکھ نہ لے، پھر میری ہمت بڑھی اور میں بڑی بڑی چوریاں کرنے لگا، آخر آج میرا یہ حشر ہوا، اگر میری ماں نے مجھے اس کی برائی بتائی ہوتی؛ تو میرا یہ حشر وانجام نہ ہوتا؛ لہٰذا میں نے چاہا کہ جاتے جاتے ماں کو بھی سزا دے جاؤں؛ اس لیے میں نے اس کا کان کاٹ لیا، کہ میری بات یہ کیوں سنتی رہی؟

جوڑا جہیز کا مطالبہ، ایک بھیک ہے

فرمایا: آج معاشرے میں بہت سے گناہ اور منکرات پھیلے ہوئے ہیں اور ایک منکر بہت عام ہوگیا ہے کہ لڑکی والوں سے جوڑے جہیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ سوچو! کیا لوگوں سے سوال کرنا جائز ہے؟ یہ بھی تو بھیک اور سوال ہے؛ مگر اس کی برائی سے لوگ واقف نہیں؛ اس لیے بتانا چاہیے اور اس کی اصلاح کرنا چاہیے۔

جوڑے جہیز کے مطالبے کا رواج ہندوؤں میں تھا؛ مگر اب مسلمان بھی اس میں ملوث ہوگئے اور اس کے پورا نہ کرنے پر لڑکیوں پر ظلم ہو رہا ہے، قتل کرنے اور جلانے کے واقعات پیش آرہے ہیں اور بعض جگہ لڑکیاں خودکشی کرنے لگی ہیں، کہ مطالبہ پورا نہیں ہوسکتا۔

حیدرآباد کے ایک صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا ہے:

”ایک لڑکی تھی، جس وہ میں ساری خوبیاں تھیں، جو ایک لڑکی میں ہونی چاہئیں، چہرے اور شکل کے اعتبار سے، سینے، پرونے، پکانے، خدمت کرنے کے اعتبار سے سب خوبیاں تھیں اور رشتے بھی آتے تھے؛ مگر اس کے ساتھ ساتھ مطالبے بھی ہوتے تھے، جس کو وہ لوگ پورا نہیں کرسکتے تھے۔ ایک دن اس کی ماں کی زبان سے نکل گیا کہ کیسی منحوس لڑکی

ہے؟ کوئی رشتہ نہیں آتا؛ حال آں کہ منحوس تو وہ لوگ تھے، جو مطالبہ کرر ہے تھے۔لڑکی کیوں منحوس ہوئی؟ لڑکی نے ماں کے الفاظ سنے، تو بڑا دکھ ہوا۔ جا کر دیکھا، تو وہ مردہ پڑی ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ زہر کھا کر سوگئی تھی۔''

یہ حالات ہیں!! یہ واقعات ہیں!! اس لیے منکر کی اصلاح کرنا چاہیے۔

دعا کی برکت کا عجیب واقعہ

فرمایا: دعا عجیب چیز ہے، اگر اس کا اہتمام کیا جائے۔ صوفی عبدالصمد صاحب رحمہ اللہ ایک متقی صالح شخص تھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے تعلق تھا؛ پھر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے تعلق قائم کیا، بعد میں مجھ سے محبت رکھتے تھے، ان پر (۷۵) سال کی عمر میں فالج کا حملہ ہوا اور وہ بھی بائیں طرف، ڈاکٹروں نے ناامیدی ظاہر کی۔ یہ وظائف واذکار اور دعاؤں میں مشغول ہوئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ افاقہ ہو گیا؛ پھر وہ ایک پرانے معالج کے پاس پہنچے، حکیم صاحب نے ان کو دیکھا اور کہنے لگے اگر آپ میرے پرانے مریض نہ ہوتے؛ تو میں ہرگز یہ نہ مانتا کہ آپ کو فالج ہوا تھا، پھر کہنے لگے کہ صوفی صاحب! آپ پر تو خدا کا ہاتھ ہے۔ دیکھا! دعا کا کیسے اثر ہوتا ہے؟!!

عیش ہوگا یا عبادت ہوگی؟

فرمایا: حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ نے جب نکاح کیا، تو ایک دن فجر کی جماعت میں حاضر ہونے میں تاخیر ہوگئی اور تکبیرِ اولیٰ چھوٹ گئی، سید صاحب کے متعلقین میں سے مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی رحمہ اللہ تھے، انھوں نے ایک دن دیکھا، جب دوسرے دن بھی تاخیر ہوئی، تو سید صاحب رحمہ اللہ سے کہنے لگے

کہ حضرت! اب اللہ کی عبادت ہوگی یا عیش وعشرت ہوگی؟ اس پر حضرت سید صاحب رَحِمَہُ اللہُ نے کہا کہ ان شاء اللہ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ دیکھا! چھوٹوں کی بات بھی مان لیتے تھے!!

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ کا ایک واقعہ

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے رشتہ داروں میں تھانہ بھون سے ۱۲ میل کے فاصلے پر "رامپور" ایک بستی میں ختنے کی تقریب تھی، حضرت رَحِمَہُ اللہُ کو بھی بلایا گیا، حضرت والا رَحِمَہُ اللہُ ریل گاڑی سے سفر کر رہے تھے، اس گاڑی میں حضرت رَحِمَہُ اللہُ کے ایک جاننے والے بھی تھے، پوچھا کہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ حضرتِ والا رَحِمَہُ اللہُ نے بتایا کہ فلاں جگہ ختنے کی تقریب میں جا رہا ہوں، ان صاحب نے بتایا کہ حضرت! وہاں تو وہ ساری رسومات ورواجات ہیں، جن کو آپ نے "اصلاح الرسوم" میں غلط قرار دیا ہے، حضرت رَحِمَہُ اللہُ نے ان سے تحقیق فرمائی کہ کیا یہ صحیح ویقینی بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! یہ تحقیقی بات ہے۔ اس پر حضرتِ والا رَحِمَہُ اللہُ نے ان سے فرمایا کہ میں "رامپور" میں فلاں صاحب کے باغ پر چلا جاؤں گا، اگر کوئی میرے متعلق پوچھے، تو میرا پتہ نہ بتانا۔ اِدھر تو یہ ہوا اور اُدھر "رامپور" میں جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ مولانا تھانوی رَحِمَہُ اللہُ بھی اس تقریب میں آرہے ہیں، تو کچھ جوانوں نے ایک کمیٹی بنائی اور ایک پوسٹر تیار کیا کہ اس تقریب میں یہ خرافات ہیں، پھر بھی اس میں مولانا اشرف علی صاحب رَحِمَہُ اللہُ شرکت کر رہے ہیں، تیار کر کے کچھ بڑے لوگوں سے پوچھا کہ ہم اس کو چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ابھی نہیں؛ بل کہ جب وہ آجائیں اور شریک ہوجائیں، تب چسپاں کرنا۔ دیکھا! یہ بڑوں کا مشورہ تھا، بوڑھوں

کی ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے۔ حضرتِ والا رَحِمَہُ اللہُ نے شرکت نہیں کی؛ بلکہ اس باغ میں گئے اور دوسری گاڑی سے باغ ہی سے واپس ہو گئے، اس تقریب میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رَحِمَہُ اللہُ اور حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ نے شرکت فرمائی۔ اس پر لوگوں میں ہلچل ہوئی اور سوالات کیے گئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رَحِمَہُ اللہُ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تو اس تقریب میں شرکت کی؛ مگر مولانا تھانوی رَحِمَہُ اللہُ نے کیوں شرکت نہیں کی؟ مولانا خلیل احمد صاحب رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ بھائی ہم نے فتوے پر عمل کیا اور مولانا تھانوی نے تقوے پر عمل کیا ہے۔ یہ تھے ہمارے اکابر!! حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ مولانا خلیل احمد صاحب رَحِمَہُ اللہُ کو اپنا بڑا مانتے تھے، پھر بھی دیکھیے! مولانا نے اپنے سے زیادہ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ کا مقام بتایا۔ کسی ایک نے حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ سے بھی پوچھ لیا کہ آپ نے تو اس تقریب میں شرکت فرمائی؛ مگر آپ کے شاگرد مولانا اشرف علی صاحب نے شرکت نہیں کی؟ تو حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ ہم لوگ عوام الناس کے حالات سے اتنا واقف نہیں، جتنا وہ واقف ہیں، ہم کو علم نہیں تھا؛ اس لیے ہم نے شرکت کر لی، اگر ہم کو علم ہوتا ان خرافات کا؛ تو ہم بھی وہی کرتے، جو مولانا نے کیا ہے۔ دیکھا! حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللہُ نے باوجود اس کے کہ استاذ ہیں؛ اپنے شاگرد کی بات کو نہیں گرایا۔ کسی نے حضرت والا تھانوی رَحِمَہُ اللہُ سے بھی پوچھ لیا کہ وہ حضرات تو شریک ہوئے، آپ نے کیوں شرکت نہیں کی؟ تو فرمایا کہ بھائی! میں واپس ''رامپور'' سے آیا، تو قرآنِ مجید کھولا، تو ﴿سُوْرَةُ النَّمْلِ﴾ آئی، جس میں حضرتِ سلیمان عَلَيْهِ السَّلَامُ اور ''ہدہد'' کا قصہ مذکور ہے کہ ایک جگہ ''ہدہد'' غائب تھا، پھر اس کو تلاش کرایا اور بلا کر پوچھا، تو اس نے کہا کہ میں ایک ایسی بات جانتا ہوں، جو آپ نہیں

جانتے، پھر بلقیس اور اس کی قوم کا ذکر کیا۔ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ یہ واقعہ میرے واقعہ کی مثال ہے کہ میں بھی ''ہدہد'' کی طرح غائب ہو گیا اور ''ہدہد'' مشہور ہے کہ بے وقوف ہوتا ہے، ایسا ہی میں بھی کچھ بے وقوف ہوں؛ مگر ایک بات میں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے، جیسے ''ہدہد'' تو ایک بات جانتا تھا؛ مگر حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نہیں جانتے تھے؛ مگر اس سے ''ہدہد'' کی فضیلت نہیں ثابت ہو جاتی، اسی طرح میرے اکابر پر میری فضیلت نہیں ثابت ہو جاتی۔ یہ تھے ہمارے اکابر!!۔

بڑوں کی بات بے دلیل ماننے کا حکم نہیں

فرمایا: اکابر کی بات جب دلیل سے ثابت نہ ہو، تو چھوٹا ان کی بات سے اختلاف کر سکتا ہے اور اپنی تحقیق پر عمل کر سکتا ہے۔ حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت سلطان الاولیا نظام الدین اولیا رَحِمَہُ اللہُ کیا سماع سنتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں! سنتے تھے۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا ان کے پاس اس کی کوئی دلیل بھی تھی؟ فرمایا کہ ضرور ہوگی؛ مگر ہم کو اس کی کوئی خبر نہیں۔

حق بات بار بار کہی جائے

فرمایا: آج کہنے سننے کی بڑی کمی ہے، حق بات کو بار بار کہنا چاہیے، کبھی نا کبھی تو اس کا اثر ہوگا، صدا لگاتے جانا چاہیے۔ مولانا شبیر علی صاحب کے لڑکے کو پان کھانے کی عادت ہو گئی، وہ نرمی سے منع کرتے رہے؛ مگر اثر ہی نہ ہوا؛ مگر وہ برابر کہتے رہے اور یہ نوٹ بھی کرتے رہے کہ کتنی دفعہ کہا ہے؟ جب ایک سو دفعہ کہا، تب بھی وہ نہیں چھوڑا؛ مگر ایک سو ایک دفعہ پر اچانک چھوڑ دیا۔ تو برابر کہتے رہیں، یہ نہیں کہ ایک دو بار کہا، پھر خاموش ہو گئے۔

مداہن کون ہے؟

(''فضائلِ اعمال'' سے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ ارشاد پڑھا گیا کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کو محبوب ہو، اپنے بھائیوں میں محمود ہو، اغلب یہ ہے کہ مداہن ہوگا)

اس پر حضرتِ والا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مداہن وہ ہے، جو دین کی بات اور حق کی بات اس لیے چھپاتا ہے کہ لوگ تحائف وہدایا نہ دیں گے یعنی دنیا کے خاطر حق پوشی کرنے والے کو مداہن کہا جاتا ہے۔

احکامِ تبلیغ

فرمایا: جو مٹھائی، چٹائی کے لیے حق کو چھپاتا ہے، یہ تو مداہن ہے اور دین کو ان چیزوں کے واسطے چھپانا جائز نہیں ہے؛ بل کہ اگر یہ اندیشہ ہے کہ دین کو اور حق کو پیش کرنے سے ہماری مٹھائی یا کھٹائی یا چٹائی بند ہو جائے گی، تو وہاں بھی حق کو پیش کرنا چاہیے۔ قرآن میں آیا ہے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ الخ (اپنے اہل کو نماز کا حکم دو، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے؛ بل کہ ہم خود آپ کو رزق دیں گے۔) (طٰہٰ:۱۳۲)

تو رزق کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے، اس کے لیے حق کو چھپانے کی اجازت نہیں اور اگر پیش کرنے سے پٹائی کا اندیشہ ہو، تو پھر حق پیش کرنا واجب نہیں، ہاں! افضل ہے اور ایسے شخص کو جو پٹائی پر بھی حق کو پیش کرتا ہے، شہیدی کا درجہ ملے گا۔ حدیث میں فرمایا ہے: ''أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ'' (ظالم بادشاہ کے پاس حق کہنا، افضل جہاد ہے۔) (السنن للترمذي، كتاب الفتن:۲۱۷۴)

''افضل'' فرمایا ہے، واجب قرار نہیں دیا۔ دیکھیے! شریعت کی کتنی شفقت ہے، کہ جہاں پٹائی کا اندیشہ ہے، وہاں حق کے ظاہر کرنے کو واجب نہیں قرار دیا اور اگر کہیں کھٹائی ہوتی ہو؛ تو پھر تو زیادہ آسانی ہے، وہاں بھی حق کا ظاہر کرنا واجب نہیں۔

اب علما سے پوچھو! ماہر علما سے جن کو مفتی کہا جاتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ وہ بتائیں گے کہ کٹ مر جانے میں اسلام کا فائدہ ہے یا نقصان؟ اگر فائدہ ہو؛ تو حق کو ظاہر کرو؛ ورنہ نہیں۔ یہ تبلیغ کے احکام ہیں۔

تبلیغ ہر جگہ واجب نہیں، صرف اس وقت واجب ہے، جب کہ مخاطب کو حق کا علم نہ ہو اور امید ہے کہ وہ مان لے گا اور اگر مخاطب کو علم ہے، تو پھر بتانا واجب نہیں اور مان لینے کی امید نہ ہو، تو بھی بتانا واجب نہیں ، ہاں! مستحب ہے، جس طرح اور چیزوں کے احکام ہیں، اسی طرح تبلیغ کے بھی احکام ہیں، اس سلسلے میں رسالہ بھی لکھا گیا ہے: ''اشرف الهدایات'' اور پرچے بھی ہیں۔

مسجدیں تو عالی شان؛ مگر اذان صحیح نہیں؟

فرمایا: یہاں (بنگلور) آکر بڑی خوشی ہوئی کہ مسجدیں ماشاء اللہ بڑی بڑی اور عالی شان ہیں، مگر ایک بات سے بہت دکھ ہوا کہ اذانیں سنت کے موافق نہیں، اکثر جگہ " الله أكبر" میں لفظِ ''اللہ'' کے لام پر ''مد'' کرتے ہیں اور بہت کھینچتے ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "مشکوۃ" کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظِ ''اللہ'' کو اتنا کھینچنا خطا ہے۔
(مرقاة المفاتيح ،باب الأذان:۳۱۷)

اسی طرح اور باتیں بھی ہیں، ہمارے مکان، دکان، نان و پان سب بڑھیا؛ مگر اذان اور تلاوتِ قرآن، یہ بڑھیا نہیں۔ جب مَیں غلط اذان سنتا ہوں، تو محسوس ہوتا ہے کہ دل پر تیر مار دیا؛ اس لیے بھائی! جیسی مسجدیں عالی شان ہیں، ایسی اذان بھی ہونا چاہیے۔

بے ضرورت بلب نہ جلائیں

فرمایا: مسجد میں جو بے ضرورت روشنی ہو رہی ہے اس کو بند کیا جائے (مسجد میں

اس وقت بعض بلب بے ضرورت جل رہے تھے) پھر فرمایا کہ لوگ اس کو دیکھیں گے اور کہیں گے کہ فلاں جگہ جل رہے تھے، اس کو دلیل بنائیں گے؛ لہٰذا زائد بلب بند کر دیئے جائیں۔

قدم بڑھاؤ، راستہ کھلے گا

فرمایا: جس طرح ایر پورٹ پر دروازہ بند رہتا ہے؛ لیکن جوں جوں قدم اس کی طرف بڑھتے ہیں اور قریب ہوتے ہیں، وہ کھلتا جاتا ہے، اسی طرح قدم بڑھانے سے راستہ کھل جاتا ہے۔ بند دروازہ دیکھ کر گھبرانے کی ضرورت نہیں، قدم بڑھانے کی ضرورت ہے، قدم بڑھاؤ؛ راستہ کھلے گا۔

صفائی-اسلام کی اہم تعلیم ہے

فرمایا: یہاں کی مسجدوں کے سامنے عام طور پر کاغذات اور گندگی دیکھی گئی، اسلام میں صفائی کی بڑی اہمیت ہے۔ حدیث میں ہے کہ گھروں کے صحن کو صاف رکھو؛ کیوں کہ صحن کو گندہ رکھنا یہودیوں کی علامت ہے۔ (السن للترمذي: باب في النظافة)

جب صحن بھی صاف رکھنے کا حکم ہے، تو اندر والا حصہ تو بہ درجۂ اولیٰ صاف رکھنا چاہیے۔ جب گھروں کا یہ حکم ہے، تو مسجدوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ جب گھر کے باہر کا حصہ بھی صاف رکھنا چاہیے، تو سوچو کہ اندر کا کتنا صاف ہونا چاہیے؟! پھر کپڑے کیسے ہونا چاہئیں؟! پھر بدن کتنا صاف ہو؟! پھر دل کی صفائی کا کتنا اہتمام ہونا چاہئے؟! سوچیے؛ مگر آج مسجدوں کے سامنے بھی گندگی پڑی ہوئی ملتی ہے۔

اذان، نماز سیکھنا چاہیے

فرمایا: آج لوگ دیکھا دیکھی کام کرتے ہیں، کسی سے پوچھتے اور سیکھتے نہیں،

میں ساٹھ سال سے جہاں جاتا ہوں، وہاں کے مؤذنوں سے پوچھتا آرہا ہوں کہ اذان سیکھی ہے؟ مگر کسی نے نہیں کہا کہ میں نے سیکھی ہے۔کراچی میں ایک صاحب نے کہا کہ ہاں میں نے سیکھی ہے، میں نے پوچھا کس سے سیکھی؟ کہا کہ قاری صاحب سے، میں نے کہا: اسی لیے ایک کمی ہے: لفظِ "اللہ" کے لام پر "مد" کرتے ہو، اگر کسی عالم سے سیکھی ہوتی؛ تو یہ غلطی نہ ہوتی؛ اس لیے اذان، نماز، اقامت سیکھنا چاہیے، صرف علم سے عمل نہیں آتا، عمل تو مشق پر موقوف ہے۔

فضول گوئی کا نقصان

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگو! خوب کھاؤ، پیو، آرام کرو، سوؤ؛ لیکن آپس میں باتیں نہ کرو یعنی دنیا کی بات چیت نہ کرو، ہاں! کوئی مباح ضروری بات ہو تو کرلے، اسی طرح مسئلے مسائل کی بات ہو، تو کر لے فضول بات چیت سے بزرگوں نے ہر زمانے میں منع کیا ہے۔حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طاعت سے ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے، جو عملی طاقت کو بڑھاتا ہے؛ لیکن وہ نور باتیں کرنے سے نکل جاتا ہے۔

طاعت کے فائدے

فرمایا: حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر عشا کے بعد سو رہو، کوئی دنیوی بات چیت نہ کرو، تو چوں کہ عشا میں نسبتاً طاعات وعبادات زیادہ ہیں؛ اس لیے اسے اتنا نور پیدا ہوگا کہ تہجد کے وقت ان شاء اللہ تمھاری آنکھ ضرور کھل جاوے گی۔تجربہ کرکے دیکھ لو، جب تم صبح نیند سے بیدار ہو، تو وضو کرو، پھر اپنے دل کو دیکھو کچھ نہ کچھ انبساط وانشراح ہوگا۔پھر کچھ اللہ کا ذکر کرو، پھر اپنے قلب کو دیکھو اور زیادہ سرور معلوم ہوگا، تو جب طاعات وعبادات کے مقدمات کا یہ اثر ہے، تو ذکر

وعبادت میں کتنا اثر ہوگا؟!!۔اسی طرح نماز پڑھنے سے، تلاوت کرنے سے اور دوسری عبادت سے، قلب کو سرور وانشراح محسوس ہوتا ہے، اگر محسوس نہیں ہوتا، تو دل بیمار ہے۔

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''تبلیغِ دین'' میں فرمایا کہ وضو جتنا بڑھیا ہوگا، نماز بھی اتنی ہی بڑھیا ہوگی۔اس کی حسی مثال یہ ہے کہ جتنا بڑھیا پانی ہوگا، اتنی ہی بڑھیا چائے ہوگی۔

ایمان کی علامت

فرمایا: اگر نیکی کر کے سرور نہ ہو اور برائی کر کے کلفت نہ ہو، تو پھر دل بیمار ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ کسی نے پوچھا: ''مَاالْإِیْمَانُ'' (ایمان کیا ہے؟) فرمایا: ''إِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَائَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ'' کہ نیکی کر کے خوشی ہو اور برائی کر کے کلفت ہو، یہ ایمان کی علامت ہے۔ (مسند أحمد:۲۲۲۵۳)

جیسے کار میں چلتے ہوئے کہیں رات کی رانی کی خوشبو آئی، پھر کار آگے چلی، تو وہاں مردار کی بدبو آرہی تھی، اگر یہ خوشبو اور بدبو کسی کو محسوس نہ ہو، تو وہ بیمار ہے۔ کسی کو زکام ہو جائے، تو اس کو رات کی رانی کی خوشبو آئے گی؟ یا مردار کی بدبو آئے گی؟ نہیں! اسی طرح وضو کر کے کسی کو فرحت محسوس نہیں ہوتی، تو دل بیمار ہے، علاج کرنا چاہیے۔

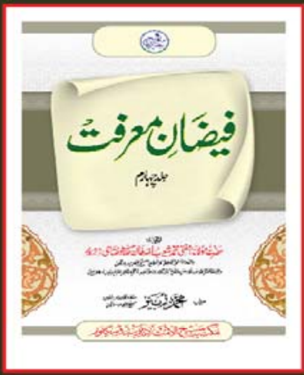
توبہ کی ضرورت

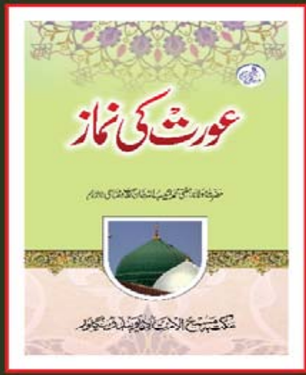
فرمایا: ایک عام غلط فہمی یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم ہے؛ لہٰذا وہ معاف کر دے گا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے؛ مگر توبہ تو کرنا چاہیے۔ قرآن میں فرمایا گیا: ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوْا السُّوْءَ بِجِهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَأَصْلَحُوْا إِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَحِیْمٌ﴾ (بلاشبہ تیرا رب ان

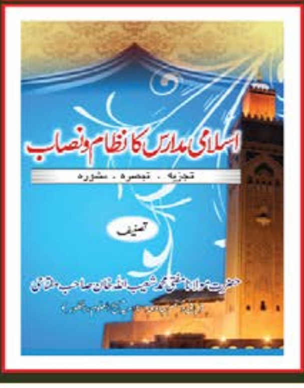
لوگوں پر جنھوں نے برائی کی نادانی سے، پھر توبہ کی اس کے بعد اور سنوارا اپنے عمل کو،
تو تیرا رب ان باتوں کے بعد بخش نے والا مہربان ہے۔) (النحل: ۱۱۹)

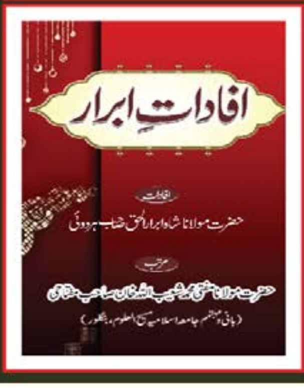
اگر لوگوں سے کہو کہ توبہ کرو، اصلاح کرو؛ تو کہتے ہیں اللہ غفور رحیم ہے؛ مگر توبہ نہیں کرتے، گناہ نہیں چھوڑتے، آج لوگ طاعت کے فائدے تو جانتے ہیں؛ مگر گناہوں کے نقصانات کی خبر نہیں۔

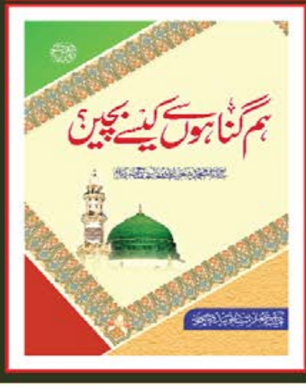












حضرت اقدس کی جملہ کتابیں مفت ڈاؤن لوڈ کرنے اور دیگر مزید گراں قدر
معلومات کے اضافہ کیلئے ہماری ویب سائٹ پر وزٹ کیجئے۔

www.muftishuaibullah.com

MAKTABA MASEEHUL UMMAT DEOBAND

Minara Market, Near Masjid-e-Rasheed, DEOBAND - 247554

Mobile: + 91-9634830797 / + 91- 8193959470

MAKTABA MASEEHUL UMMAT BANGALORE

84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001 Mobile : +91-9036701512

E-Mail:maktabahmaseehulummat@gmail.com